يَهۡدِىۡ بِهِ اللّٰهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضۡوَانَهُ سُبُلَ السَّلَام. (المائدة: ١٦)

ہدایت کرتا ہے اس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو جو اس کی خوشی کی اتباع کرتے ہیں، سلامتی کے راستوں کی۔

سُبُلُ السَّلام

محسن الامت عارف باللہ

حضرت اقدس مولانا شاہ مفتی محمد عبداللہ صاحب پھولپوریؒ نوراللہ مرقدہٗ

بانی مرکزی خانقاہ شاہ ابرار پھولپور، اعظم گڈھ

از اجلۂ خلفاء

محی السنہ حضرت اقدس مولانا شاہ ابرارالحق صاحب ہردوئی نوراللہ مرقدہٗ

حسب ارشاد

پیر طریقت حضرت مولانا شاہ مفتی محمد احمداللہ صاحب پھولپوریؒ دامت برکاتہم

خلیفہ و جانشین

محسن الامت عارف باللہ حضرت اقدس مولانا شاہ مفتی محمد عبداللہ صاحب پھولپوریؒ نوراللہ مرقدہٗ

ناشر: اشرفی کتب خانہ ''مرکزی خانقاہ شاہ ابرار'' پھولپور، اعظم گڈھ، یوپی

+91961612971 Khanqah-e-phloopur @khanqahphoolpur/www.phoolpuri.org

﴿تفصیلات﴾

نام کتاب: سبل السلام

صاحب خطبات: محسن الامت عارف باللہ

حضرت اقدس مولانا شاہ مفتی محمد عبداللہ صاحب پھولپوری نور اللہ مرقدہٗ

سن طباعت: باراول: ۱۴۴۱ھ/۲۰۲۰ء

تعداد صفحات: ۶۴

تعداد اشاعت: ۲۲۰۰

ملنے کے پتے:

(۱) دفتر ''فیضان اشرف'' مدرسہ اسلامیہ عربیہ بیت العلوم سرائے میر، اعظم گڈھ، یوپی

(۲) ''خانقاہ شاہ عبداللہؒ'' مکان نمبر 4375 گلی نمبر 21 شانتی محلّہ پرانا سیلم پور، دہلی 31

(۳) ''خانقاہ شاہِ ابرار'' افضل گڈھ، بجنوری، یوپی

(۴) ''خانقاہ شاہِ ابرار'' (پنجابی مسجد) نمبر 10 نارتھ رنج کلکتہ-17

(۵) ''خانقاہ شاہ عبداللہ'' 61/1L تپسیا روڈ کلکتہ-39

(۶) ''خانقاہ شاہِ ابرار'' 3-19/b# کراس عمر باغ لے آؤٹ جے پی نگر بنگلور-78

(۷) ''خانقاہ شاہِ ابرار'' مدرسہ بیت العلوم اورنگ آباد مہاراشٹر

(۸) ''خانقاہ شاہ ابرار'' المنان کمپلیکس تھاوے روڈ گوپال گنج، بہار

E-mail: baitululoom256029@rediffmail.com

www.phoolpuri.org

فہرست مضامین

نمبر شمار	عناوین	صفحہ نمبر
۱	پیش لفظ	۶
۲	**خیر الامم**	۸
۳	حضرت تھانویؒ کا مقام اہل علم کی نظر میں	۹
۴	حضرت پھول پوری علیہ الرحمۃ کا مقام حکیم الامت کی نظر میں	۱۰
۵	معاصی سے بچنا ہی اصل کمال ہے	۱۱
۶	گناہوں کی سرحدیں کفر و شرک سے ملتی ہیں	۱۳
۷	ایک واضح مثال	۱۳
۸	بندوں سے اصل مقصود عبدیت ہے	۱۴
۹	عبادت اور عبدیت میں فرق	۱۴
۱۰	شاہ عبد الغنی پھولپوری علیہ الرحمہ کا ایک اہم قول	۱۵
۱۱	امام ابو حنیفہؒ کی عبدیت	۱۶
۱۲	ہماری عبادت کی ایک مثال	۱۷
۱۳	عبادت کی مشروعیت کی حکمت	۱۸
۱۴	نیکیوں کی حفاظت کریں	۱۹
۱۵	اخلاق کی درستگی اعمال صالحہ کے بقا کا ذریعہ ہے	۲۰
۱۶	دھن اور دھیان سفر آخرت کا توشہ ہے	۲۱
۱۷	دھن اور دھیان کی انمول مثالیں	۲۲
۱۸	شاہ وصی اللہ صاحبؒ کا واقعہ	۲۳

۱۹	اپنی پوری زندگی نگرانی کے ساتھ گزارنے کا نام تقویٰ ہے	۲۳
۲۰	خانقاہیں انسان بنانے کی فیکٹریاں ہیں	۲۴
۲۱	نفع پہنچانے والا ہی حکمراں ہوتا ہے	۲۵
۲۲	مسلمانوں کا لیڈر کیسا ہونا ضروی ہے	۲۷
۲۳	مسلمانوں سے ایک گذراش	۳۰
۲۴	ایک حکیمانہ قول	۳۱
۲۵	غزوۂ حنین میں بظاہر شکست کی وجہ عجب تھی	۳۲
۲۶	شکست وفتح کا ضابطہ	۳۲
۲۷	عُجب ایک مہلک بیماری ہے	۳۳
۲۸	عُجب کی ایک واضح مثال	۳۳
۲۹	عبادات کے بعد استغفار کے حکم کی وجہ	۳۴
۳۰	’’اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ،، کی تفسیر	۳۵
۳۱	محبوب ہی کا مال محبوب ہوتا ہے	۳۵
۳۲	ایک مثال	۳۶
۳۳	مال فی نفسہٖ مذموم ہے	۳۶
۳۴	مال کے فی نفسہٖ مذموم ہونے کی دلیل	۳۷
۳۵	جنت میں جانے کے لیے مال کی ضرورت نہیں	۳۸
۳۶	صحیح مسلمان بننا اولین فریضہ ہے	۳۹
۳۷	اس دنیا میں ترقی کس کو ملتی ہے	۳۹
۳۸	اشاعت دین کے ساتھ اخلاص ضروری ہے	۴۰
۳۹	حضرت شاہ ہردوئی علیہ الرحمہ کا ایک اصول	۴۱

۴۰	حدود شرعیہ پر قائم رہنے کی فکر کریں	۴۱
۴۱	تریاق سنت اور گناہ زہر ہے	۴۲
۴۲	کثرت عمل مطلوب نہیں بلکہ حسن عمل مطلوب ہے	۴۳
۴۳	اپنی اصلاح کی فکر مقدم کریں	۴۴
۴۴	اسلام کی سلامتی عالم گیر ہے	۴۵
۴۵	نیک وصالح بننا ایک اختیاری عمل ہے	۴۶
۴۶	**وحی اور کمالات وحی**	
۴۷	''وحی الٰہی'' نصاب تربیت ہے	۴۷
۴۸	افضل البشر بعد الانبیاء ہونے کا راز	۴۹
۴۹	روح ہی اصل انسان ہے	۵۱
۵۰	شریعت انسانوں کے روح کی پاکیزگی کا ذریعہ ہے	۵۲
۵۱	ظاہر، باطن کا مخبر ہوتا ہے	۵۳
۵۲	دینے والا ہاتھ سردار اور لینے والا ہاتھ فقیر ہوتا ہے	۵۴
۵۳	لوگوں کو اپنے شر سے بچالینا ہی بھلائی ہے	۵۵
۵۴	انسان ایک متضاد پھل دینے والا درخت ہے	۵۶
۵۵	جنت میں صرف ایک چیز کی حسرت ہوگی	۵۷
۵۶	انسان فانی ہے اور اس کے اعمال باقی ہیں	۵۸
۵۷	فانی اور باقی میں فرق نہ کرنے والے بچّے ہیں	۵۹
۵۸	نبی کی اصل ترقی اتباع وحی میں ہے	۶۲

پیش لفظ

حضرت اقدس مولانا شاہ مفتی **محمد احمد اللہ** صاحب پھولپوری دامت برکاتہم

خلیفہ و جانشین محسن الامت عارف باللہ حضرت اقدس مولانا شاہ مفتی **محمد عبد اللہ** صاحب پھولپوری نور اللہ مرقدہٗ

اللہ رب العزت نے انسان کو بڑے عجیب کمالات سے نوازا ہے اور اس کی فطرت میں بعض ایسے اوصاف ودیعت فرمائی، جو اسی وحدہٗ لاشریک لہٗ کے لازوال کمالات سے مستنیر ہیں، ان اوصاف عالیہ میں سے ایک وصف علم ہے جو اگرچہ دیگر مخلوقات کے اندر بھی ہے، مگر حضرت انسان کے اندر ایسے امتیازی خصوصیات کے ساتھ یہ صفت پائی جاتی ہے، جس کی بدولت وہ اشرف الخلائق اور مخدوم کائنات بن گیا، اسی علم کی بدولت بر و بحر اس کے لیے مسخر کیے گئے، نوع انسانی کو تاج خلافت، خلعت رسالت اور وراثت نبوت کا اعزاز اسی علم کے صدقے میں حاصل ہوا۔

علم اپنی تمام تر ذاتی فضیلتوں کے باوجود اس وقت تک باعث نجات اور مثمر خیرات و برکات نہیں ہوسکتا جب تک کہ وہ عمل کی راہ سے نہ گذرے؛ لہٰذا ابتدائے اسلام سے علم و عمل کا تلازم عوام وخواص کے درمیان بداہۃً مسلم تھا، جوں جوں زمانہ مشکوۃ نبوت سے دور ہوتا گیا علم کی شعاعیں مدھم پڑتی گئیں، اور عمل سے بھی اس کا رشتہ کمزور ہوتا چلا گیا، یہاں تک کہ فریب خوردۂ ظاہر اور غرضہائے نفسانی کے خوگر بعض اہل علم کے طبقے میں قولاً نہ سہی عملاً، صراحۃً نہ سہی اشارۃً یہ نظریہ پنپنے لگا کہ علم مرتبۂ اولیٰ اور عمل مرتبۂ ثانیہ میں ہے، خصوصاً اہل مدارس میں جب یہ مسموم فضا پیدا ہونے لگی تو اکابرین امت نے بروقت اس طوفان کا مقابلہ ضروری سمجھا اور علاحدہ فن تصوف پر علماً وعملاً متوجہ ہوئے، شریعت وسنت سے ماخوذ، مستنبط اور مبرہن مستقل کتب تصوف تالیف

فرمائی، جذبۂ عمل اور تصحیح عمل کے لیے خانقاہیں وجود میں آئیں، عوام الناس کو صحیح دینی مزاج سے آشنا کرنے کے لیے تبلیغی اسفار فرمائے۔

ماضی قریب میں حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا شاہ اشرف علی تھانوی نور اللہ مرقدہٗ کو اللہ تعالیٰ نے ان مقاصد حسنہ کی انجام دہی میں جو نمایاں مقام عطا فرمایا تھا وہ کسی فرد و بشر پر مخفی نہیں ہے، اللہ رب العزت نے آپ کی دینی خدمات میں خوب برکتیں عطا فرمائی، متحدہ ہندوستان میں اہل علم کا ایک بڑا اور کریم طبقہ آپ کے آستانۂ فیض سے وابستہ ہوا، اور تصوف کا صاف شفاف سلسلہ وسیع تر ہوتا گیا، یہ سلسلہ اور آگے بڑھا پھر آپ کے خلفاء کے خلفاء بھی الحمد اللہ اس خدمت کو انجام دیتے رہے اور میزاب اشرفی سے سیراب ہو کر امت کو بھی شاد کام کرتے رہے۔

ان باتوفیق حضرات میں ایک نام نامی اسم گرامی محسن الامت عارف باللہ حضرت اقدس مولانا شاہ مفتی محمد عبداللہ صاحب پھولپوریؔ نور اللہ مرقدہٗ کا بھی ہے، اللہ کا شکر ہے کہ حضرت محسن الامت علیہ الرحمہ کی زبان حق ترجمان سے نکلنے والا پیغام جس طرح ان کی حیات میں مردہ دلوں کو زندگی بخش رہا تھا، بعد الممات بھی کتابی شکل میں آکر طالبین کے لیے باعث خیر ثابت ہو رہا ہے، اس سے قبل متعدد بیانات زیور طبع سے آراستہ ہو چکے ہیں، اب یہ تازہ ترین رسالہ بنام **"سبل السلام"** پیش خدمت ہے، اللہ رب العزت اس کا نفع عام و تام فرمائے اور مزید بیانات کی اشاعت کو بہ اخلاص دوام نصیب فرمائے۔ آمین

دعا گو و دعا جو

(مفتی) محمد احمد اللہ پھولپوریؔ غفر اللہ لہٗ ولوالدیہ

خادم مدرسہ اسلامیہ عربیہ بیت العلوم سرائے، اعظم گڑھ

۲۳؍ جمادی الاخری ۱۴۴۱ھ

خیر الامم

الْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُه، وَنَسْتَعِيْنُه، وَنَسْتَغْفِرُه، وَنَعُوْذُ بِاللهِ مِنْ شُرُوْرِ أَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّاٰتِ أَعْمَالِنَا، مَنْ يَّهْدِهِ اللهُ فَلَا مُضِلَّ لَه. وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَاهَادِيَ لَه. وَنَشْهَدُ أَن لَّا اِلٰهَ إِلَّا اللهُ، وَنَشْهَدُ أَنَّ سَيِّدَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُه، وَرَسُوْلُه. صَلَّى اللهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهٖ وَصَحْبِهٖ أَجْمَعِيْنَ.

أَمَّا بَعْدُ! فَأَعُوْذُ بِاللهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ. بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ. "كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللهِ (آل عمران:۱۰۰)

صدق الله مولانا العظیم.

میرے محترم بزرگو اور دوستو! آپ حضرات ایک ایسے اجتماع اور پروگرام میں تشریف فرما ہیں جو دعوۃ الحق کے عنوان سے موسوم ہے، ظاہر ہے کہ یہ کوئی نیا نظام نہیں ہے بلکہ یہ تو حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا شاہ اشرف علی صاحب تھانوی نور اللہ مرقدہ کا تمام انسانوں اور عام مسلمانوں کے لیے ہدایت سے نفع اندوز ہونے کا ترتیب کردہ ایک نظام ہے۔ یقیناً یہ نظام شریعت وسنت سے بھرپور نیز شرعی ہدایتوں اور اس کی رعایتوں سے بھرپور ہو کر ہمارے بزرگوں کے مقدس ہاتھوں طے پایا ہے۔

چونکہ حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا شاہ اشرف علی صاحب تھانوی

نور اللہ مرقدہ کی فقاہت اور پوری امت کے حق میں ان کی شان رحمت بالکل مسلم ہے اسی لیے یہ صرف ایک دوا اور ایک نسخہ ہی نہیں بلکہ مریض کی صحت یابی کے لیے ایک مکمل نظام کی حیثیت رکھتا ہے؛ کیوں کہ دنیا یہ بات تسلیم کرتی ہے کہ ماہر فن ڈاکٹر مریض کے لیے جو نسخہ مرتب کرتا ہے تو اس کے اندر تمام مالہ وماعلیہ کی رعایت بھی کرتا ہے، ٹھیک اسی طرح حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا شاہ اشرف علی تھانوی نور اللہ مرقدہٗ نے امت کی اصلاح کے لیے دعوت الحق کے عنوان سے اس نظام کو مرتب کیا ہے اور حضرت والا علیہ الرحمہ نے اس نظام میں خاص طور سے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو مادی درجہ دیتے ہوئے ہر فرد بشر کی اصلاح اور تمام معاشرہ کی اصلاح کے لیے اس کو ضروری قرار دیا ہے، کیوں کہ یہ نظام، قرآنی آیات اور اس کی ہدایات کے مطابق ہے۔

حضرت تھانویؒ کا مقام اہل علم کی نظر میں:

حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا شاہ اشرف علی صاحب تھانوی نور اللہ مرقدہٗ کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ امت کے لیے بڑے نمایاں مقام رکھتے ہیں۔

شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی علیہ الرحمہ کے شاگردوں میں سے ایک بڑے عالم نے مجھ سے فرمایا، کہ ہمارے حضرت نے ہمیں ہدایت کی تھی کہ مسائل میں حکیم الامت کی بات آخری ہے، اس میں میری طرف رجوع مت کرنا! البتہ سیاست کے متعلق اگر کچھ پوچھنا ہو تو پوچھ لینا؛ لیکن مسائل میں ان کی بات حرف آخر ہے، ان ہی کی بات قابل عمل ہے؛ نیز حضرت مدنی علیہ الرحمہ نے اپنے بعض مریدوں کو حضرت حکیم الامت کی خدمت میں لے جا کر ان کی اصلاح کرنے کی درخواست کر کے حضرت والا

کی توجہ ان کی طرف مبذول کرائی؛ اور بڑے بڑے علماء مثلاً مولانا عبدالباری ندوی وغیرہ حضرت مدنی علیہ الرحمہ سے بیعت تھے؛لیکن حضرت مدنی علیہ الرحمہ نے ان سے فرمایا کہ آپ لوگوں کی اصلاح کرنے کا مجھے موقع نہیں مل رہا ہے،اس لیے آپ حضرات، حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی کی خدمت میں چلیں! کیوں کہ وہ ہمارے بڑے ہیں اوران کی بات حرف آخر ہوتی ہے۔

حضرت پھول پوری علیہ الرحمۃ کا مقام حکیم الامت کی نظر میں:

میرے دوستو! میں بارہا بیان کر چکا ہوں کہ حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا شاہ اشرف علی صاحب تھانوی علیہ الرحمہ کی مجلس میں علماء کی ایک خاص جماعت بیٹھی تھی جن میں قطب الاقطاب شیخ المشائخ عارف باللہ حضرت اقدس مولانا شاہ عبدالغنی صاحب پھولپوری علیہ الرحمہ بھی تھے اوراس مجلس میں اس نظام (مجلس دعوۃ الحق) کا نام رکھنے کے متعلق مشورہ ہونا تھا،تو حضرت والا تھانوی علیہ الرحمہ نے لوگوں سے پوچھا کہ اس نظام کا نام کیا رکھا جائے؟ لوگوں نے کوئی جواب نہیں دیا بلکہ سب لوگ خاموش بیٹھے رہے؛ پھرحضرت والا تھانوی علیہ الرحمہ نے دادا جان کی طرف متوجہ ہوکرفرمایا کہ آپ بتائیں کیانام رکھا جائے؟ تو دادا جان علیہ الرحمہ نے فوراًیہ آیت پڑھی ”لَهٗ دَعْوَةُ الْحَقِّ “ توحضرت تھانویؒ نے فرمایا کہ:بس اس کا نام”دعوۃ الحق“رکھ دیا جاتا ہے۔

تو حضرت والا تھانوی کے جاری کردہ اس نظام سے دادا جان کوایک خاص مناسبت بھی حاصل ہے، نیز حضرت تھانوی علیہ الرحمہ مولانا پھولپوری علیہ الرحمہ کے

بارے میں فرماتے تھے کہ ''ایک میری فوج ہے جو اعظم گڈھ میں رہتی ہے'' اور ظاہر ہے کہ جب کسی چیز کا نظام بگڑ جائے اور اس پر عمل نہ ہونے لگے، تو فوجی ہیڈ کوارٹر کو اس نظام کی درستگی اور اس پر خود عمل کرنے اور دوسروں کو عمل کروانے کے لیے محنت ومشقت، جدوجہد کرنے کی ضرورت پڑتی ہے، اس لیے اس فوجی ہیڈ کوارٹر اور مرکز کو حکیم الامت کی تعلیمات اور ان کے ارشادات کی اشاعت کے لیے ہمیشہ تیار رہنا چاہیے، بس آپ تیاری کریں، اللہ تبارک وتعالیٰ کی مدد انشاء اللہ آئے گی۔

معاصی سے بچنا ہی اصل کمال ہے:

دوستو! یہ بات بالکل واضح ہے کہ جیسے نیکیوں سے انسان اپنے نامہ اعمال میں خیر کا اضافہ کرتا ہے، ویسے ہی برائیوں کی وجہ سے اس میں خیر کی کمی اور شر کا اضافہ ہوتا چلا جاتا ہے، اس لیے انسان جہاں خیر کو اکٹھا کرتا ہے، وہیں اس خیر کو بچانے کی بھی فکر کرنی چاہیے، اس کو شر سے دور رکھنے کی بھی فکر کرے، ورنہ اگر ہماری زندگی سے خیر اور شر دونوں صادر ہوتے رہے، تو شر کا غلبہ ہوگا اور شر کا نتیجہ بھی سر پر آئے گا۔

اسی لیے بزرگوں نے ایک بہت عجیب بات لکھی ہے، وہ یہ ہے کہ میں ایک مرتبہ قدوۃ العلماء والصلحاء شیخ العرب والعجم شاہ عبدالقادر جیلانی علیہ الرحمہ کی ایک کتاب پڑھ رہا تھا، جس میں لکھا ہوا تھا کہ انسان ثابت القدم کب مانا جاتا ہے؟ فرمایا جب مانا جاتا ہے، جب کہ اس کے نامہ اعمال میں ۲۰ ؍سال تک کوئی گناہ نہ لکھا جائے، تب اس کی نیکیوں کو اور اس کے صراط مستقیم پر چلنے کو بزرگوں نے معتبر مانا ہے؛ اس لیے آپ اندازہ لگائیں کہ گناہوں سے بچنا کتنا مشکل کام ہے اور پھر اس کا کیا مقام ملتا

ہے! اس کی مثال یوں سمجھئے کہ کسی بھی ڈرائیور کو انعام جب ہی ملے گا، جب گاڑی کو بغیر ٹکرائے ہوئے منزل پر لے جائے، اگر گاڑی کو ٹکراتا رہے ٹکراتا رہے تو وہ انعام کا حق دار نہیں ہوگا، اگرچہ وہ ہزار کلومیٹر کی دوری سے اپنی گاڑی چلا کر منزل تک لے آئے، بس کامیابی کے لیے ضروری ہے کہ اپنی گاڑی کو بچا کر لے جائے، اسی طرح اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس انسان کو کرنے کی صلاحیت اور روکنے کی صلاحیت دونوں دے رکھی ہے، اگر یہ انسان صرف کرنے کی صلاحیت استعمال کرتا رہے اور روکنے کی صلاحیت استعمال نہ کرے تو یقیناً یہ انسانی گاڑی کہیں نہ کہیں جا کر ٹکرا جائے گی۔

اسی لیے کہا جاتا ہے کہ نیکی اور خیرات وحسنات کم کرو لیکن اس میں مداومت اختیار کرو اس کو شر اور گناہ سے بچائے جاؤ، نیکی کم ہو کام چل جائے گا لیکن اس میں گناہ کی آمیزش نہ ہو؛ چنانچہ اللہ تبارک وتعالیٰ قرآن کریم میں اسی بات کو بیان کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں: "اَلَّذِیْنَ آمَنُوْا وَلَمْ یَلْبِسُوْا اِیْمَانَھُمْ بِظُلْمٍ اُولٰٓئِکَ لَھُمُ الاَمْنُ وَھُمْ مُّھْتَدُوْنَ. (سورۃ الانعام:۸۲) یعنی اللہ تبارک وتعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ دیکھو ایمان لانا تو کمال ہے ہی، لیکن اصل کمال یہ ہے کہ اس ایمان کو التباس سے بچاؤ، اختلاط سے بچاؤ! کفر وشرک کے اختلاط سے بچاؤ! فسوق وفجور کے اختلاط سے بچاؤ! کفر وشرک کے اختلاط سے تو ایمان ہی ختم ہو جاتا ہے؛ لیکن اگر فسق وفجور کا بھی اختلاط ہوتا رہا تب بھی ایمان مجروح ہوتا رہے گا اور خطرہ ہے کہ کہیں ایمان ضائع نہ ہو جائے۔

لَمَّا نَزَلَتْ: "اَلَّذِیْنَ آمَنُوْا وَلَمْ یَلْبِسُوْا اِیْمَانَھُمْ بِظُلْمٍ" قُلْنَا: یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ! أَیُّنَا لاَ یَظْلِمُ نَفْسَہٗ؟ قَالَ لَیْسَ کَمَا تَقُوْلُوْنَ لَمْ یَلْبِسُوْا اِیْمَانَھُمْ بِظُلْمٍ بِشِرْکٍ اَوَلَمْ تَسْمَعُوْا اِلیٰ قَوْلِ لُقْمَانَ لِابْنِہٖ یَابُنَیَّ لاَ تُشْرِکْ بِاللّٰہِ

اِنَّ الشِّرْکَ لَظُلْمٌ عَظِیْمٌ. (بخاری شریف، حدیث نمبر:۳۳۶۰)

گناہوں کی سرحدیں کفروشرک سے ملتی ہیں:

چنانچہ حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا شاہ اشرف علی صاحب تھانوی نور اللہ مرقدہ لکھتے ہیں کہ گناہ اور معاصی کی سرحدیں حقیقت میں کفروشرک سے ملتی ہیں، اگر آپ بے خیالی میں گناہ کرتے رہیں، کرتے رہیں تو پھر وہی گناہ ایک دن آپ کو کفروشرک کے دہانے تک پہنچا دے گا۔ اسی لیے کہا گیا ہے کہ صغیرہ پر اصرار کبیرہ بن جاتا ہے اور کبیرہ پر اصرار کفر بن جاتا ہے؛ اس کی مثال آپ یوں سمجھئے: کہ سانپ کا ایک چھوٹا سا بچہ ہو جس کو آپ نے سانپ کا بچہ سمجھ کر چھوڑ دیا، لیکن جب وہ دھیرے دھیرے بڑا ہو کر اژدہا بن جائے گا، تو پھر وہ آپ کو چھوڑے گا نہیں، بلکہ وہ تو نگل جائے گا، یہی حال بے خیالی میں گناہ کرتے رہنے کا ہے۔

اس لیے انسان کے اندر سب سے بڑی فکر یہی ہونی چاہیے کہ جس طرح ہماری صلاحیت اچھے کاموں کے لیے استعمال ہورہی ہے اسی طرح برائیوں سے بچنے میں بھی پوری طرح فعّال رہے۔

ایک واضح مثال:

میں اس کی مثال یہ دیا کرتا ہوں کہ ڈرائیور کو گاڑی بڑھانے کے لیے اکسلیٹر کی ضرورت پڑتی ہے اور گاڑی روکنے کے لیے بھی اس کو اتنی ہی طاقت ور بریک کی ضرورت پڑتی ہے، اب اگر اس گاڑی میں اکسلیٹر تو ہے لیکن بریک نہیں اور اگر بریک

ہے بھی تو وہ صحیح نہیں ہے، پورے طور پر وہ گاڑی کو روک نہیں سکتی تو ظاہر ہے اس کی ساری برق رفتاری اور تیز رفتاری ایک دن کسی بڑے حادثے کا پیش خیمہ بن جائے گی۔

اسی لیے بزرگوں نے لکھا ہے کہ نیکیاں کم کرو لیکن برائیوں سے اپنے کو سب سے زیادہ بچاؤ، یہی وجہ ہے کہ حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا شاہ اشرف علی صاحب تھانوی علیہ الرحمہ کے یہاں سب سے زیادہ توجہ نافرمانیوں سے بچانے اور گناہوں سے بچانے پر ہوتی تھی۔

بندوں سے اصل مقصود عبدیت ہے:

میرے دوستو! ایک حدیث میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ: اے لوگو! حرام سے بچ جاؤ، بڑے بڑے جو گناہ اور محارم ہیں ان سے بچ جاؤ؛ کیوں کہ ان حرام چیزوں سے بچنے کی صورت میں تم اللہ رب العزت کے بڑے بندے بن جاؤ گے، اللہ تبارک وتعالیٰ کو بہت زیادہ عبادت درکار نہیں ہے، ان کو تو اپنے بندوں سے عبدیت درکار ہے، عبادت تو عبد بنانے کے لیے آئی ہے نہ کہ عابد بنانے کے لیے، اس لیے ہمارے ذہنوں میں جو یہ بات گردش کرتی رہتی ہے کہ ہم اس عبادت کے ذریعہ بڑے عابد وزاہد بن جائیں، نہیں یہ بات اپنے ذہنوں سے نکال دیں اور یہ سوچیں کہ ہم اس عبادت کے ذریعہ بڑے عابد کے بجائے اللہ کے بڑے بندے کیسے بنیں؟

عبادت اور عبدیت میں فرق:

یہی وجہ ہے کہ عبدیت اور عبادت میں فرق ہے، عبادت سے دعویٰ پیدا ہوتا

ہے اور عبدیت سے عاجزی پیدا ہوتی ہے؛ اور یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کو دعویٰ پسند نہیں خواہ وہ دعویٰ عبادت سے پیدا ہو جائے، کبر سے پیدا ہو جائے یا عمل سے پیدا ہو جائے یا کسی بھی لائن سے دعوی پیدا ہو جائے، اللہ رب العزت کو دعوی پسند ہی نہیں۔

شیطان کو اتنی عبادت کرنے کے باوجود بھی جنت سے جو نکالا گیا، اس کا راز بھی یہی تھا کہ اس کے اندر اپنی عبادت سے دعویٰ پیدا ہو گیا، اپنی عبادت پر بڑائی پیدا ہو گئی اور اپنی عبادت پر اپنے کو بڑا سمجھنے کا اس نے کام شروع کر دیا اور لاکھ لاکھ سال عبادت کرنے کے بعد بھی راندۂ درگاہ ہو گیا، تو شیطان کا راندۂ درگاہ ہونے کا راز عبادت میں دعویٰ کا پیدا ہونا تھا۔

شاہ عبد الغنی پھولپوری علیہ الرحمہ کا ایک اہم قول

دادا جان قطب الاقطاب شیخ المشائخ عارف باللہ حضرت اقدس مولانا شاہ عبد الغنی صاحب نور اللہ مرقدہٗ کی ایک بہت ہی عجیب اور انمول بات یاد آ گئی وہ فرمایا کرتے تھے کہ: عابد کی نظر اپنی عبادت پر، اپنی جان پر اور اپنے کمالات پر جب ہی جاتی ہے جب اس کی نظر اللہ رب العزت تک نہیں پہنچتی، جس دن وہ عابد اپنی اس عبادت کے ذریعہ اپنے معبود حقیقی کو پہچان لے گا اسی دن وہ اپنے دل، دماغ، زبان، آنکھ، ناک اور کان الغرض سارے اعضاء سے تذلل اور عاجزی کا اظہار شروع کر دے گا'' اسی لیے عابد اپنی اس عبادت کے ذریعہ اپنے کو نہ پہچانے بلکہ اپنے رب کو اور اپنے معبود حقیقی کو پہچانے، اگر اپنے کو پہچاننا شروع کرے گا تو اس

کے اندر پھر شیطانی صفات بھی آنی شروع ہوں گی۔

امام ابوحنیفہؒ کی عبدیت:

میرے دوستو! امام اعظم ابوحنیفہ علیہ الرحمہ کو کون نہیں جانتا ساری دنیا ان کی ذہانت اور فقاہت کی قائل ہے، امام ابوحنیفہ علیہ الرحمہ کے متعلق علماء نے لکھا ہے کہ پوری رات قرآن کریم پڑھتے، اس کے بعد یہ جملہ ارشاد فرمایا کرتے "مَا عَبَدْنَاکَ حَقَّ عِبَادَتِکَ" یعنی اے میرے مولیٰ تیری عظمت شان کا جو تقاضا ہے وہ تو میں نے ادا نہیں کیا، میں اپنے اس حق کی ادائیگی میں بھی اپنی عاجزی کا اعتراف کرتا ہوں، اور مزید ارشاد فرمایا کرتے "وَمَا عَرَفْنَاکَ حَقَّ مَعْرِفَتِکَ" یعنی آپ کی معرفت کا جو ہم پر حق ہے ہم تو وہ ادا نہیں کر سکے اور ہم تو آپ کو پہچان بھی نہ سکے۔

دوستو! وہ انسان جن کی علمی خدمت کا مقام پوری دنیا میں روز روشن کی طرح عیاں ہے، چالیس چالیس سال تک عشاء کے وضو سے نماز فجر پڑھنے والا انسان اور پوری پوری رات نماز تہجد میں مکمل قرآن پڑھنے والا انسان فرشتوں کا یہ جملہ نقل کر رہا ہے "مَا عَرَفْنَاکَ حَقَّ مَعْرِفَتِکَ، وَمَا عَبَدْنَاکَ حَقَّ عِبَادَتِکَ" آخر وجہ کیا ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ جس دن یہ انسان اپنے معبود کو پہچان لے گا، اسی دن سے اس کی نگاہ اپنے اوپر نفرت کی پڑنے لگے گی، اپنے اوپر تحقیر کی نظر پڑنے لگے گی اور اپنی ذلت کا احساس ہی نہیں بلکہ اپنی ذلت کا اعتراف کرنے لگے گا، جب تک انسان کو اپنے رب کی معرفت حاصل نہیں ہوتی، تب تک اس کی نظر اپنی اچھائیوں، اپنے کمالات اور اپنی عبادات پر رہتی ہے۔

ہماری عبادت کی ایک مثال:

دادا جان قطب الاقطاب شیخ المشائخ عارف باللہ حضرت اقدس مولانا شاہ عبدالغنی صاحب پھولپوری نوراللہ مرقدہٗ نے ہماری عبادت کی ایک مثال دی ہے، فرمایا کہ دیکھو ایک بھنگی اور ایک بہت غریب انسان اپنے گھر سے سفر کر کے بادشاہ سلامت سے ملاقات کرنے کے لیے اس کے محل میں جا رہا تھا، تو گھر والوں نے اس سے کہا کہ تم بادشاہ وقت سے ملاقات کرنے کے لیے جا رہے ہو تو ان کے لیے کوئی گفٹ اور ہدیہ بھی لے جاؤ، تو اس نے اپنے کٹ بانسی سے لاٹھی کے بقدر ایک بانس نکالا، یہ سوچ کر کہ جب یہ بانس بادشاہ سلامت کو دوں گا تو وہ خوش ہو جائیں گے، کیوں کہ وہ ایسا بانس کبھی دیکھے بھی نہیں ہوں گے؛ جب وہ بھنگی اپنا تحفہ لے کر چلا اور دارالسلطنت کے قریب ہوتا چلا گیا، تو اس کو شاہی سلطنت کے کچھ آثار دکھائی دینے لگے، اس کی آواز، اس کی معرفت اور اس کی بلندیاں دکھائی دینے لگیں، جس سے وہ حیرت زدہ ہونے لگا اور قریب ہوتے ہوتے جب محل میں داخل ہوا تو وہ سوچنے لگا کہ کاش زمیں پھٹ جاتی اور میں یہ جو سامان لے کر آیا ہوں وہ زمین میں دفن کر دیتا، یہ میرا لایا ہوا تحفہ بادشاہ کے اس حسین وجمیل دربار کے لائق تو کیا ہوتا یہ تو اس کے لیے بڑا عیب ہے، شایان شان تو چھوڑو اس کے لیے سرتاپا عیب ہے، میں تحفہ نہیں لایا بلکہ میں نے تو ستیاناس کر دیا اور میں نے تو بہت بڑی غلطی کر دی، یہ ایسا تحفہ ہے کہ اگر میری گردن مارنے کا حکم کر دیا جائے تو یہ اس جرم سے بھی کم ہے، لہٰذا جس وقت اس غریب انسان کی نگاہ بادشاہ کے محل پر پڑی اور جس وقت بادشاہ کے دربار میں حاضر ہوا اور اس کی سجاوٹ کو دیکھا اور

اس کی عظمت وسلطنت کو دیکھا اسی وقت وہ ڈھیر ہوگیا۔ دوستو! ہماری اپنی عبادت کی مثال اس بھنگی اور غریب انسان کے ہدیہ کی ہے ہم سوچتے ہیں کہ ہم تو نمازی، کتابی اور حاجی ہیں، لہٰذا ہمارے لیے جنت واجب ہوگئی؛ لیکن جب عابد کی نظر اللہ رب العزت کی بادشاہت پر اس کی سلطنت پر اور قدرت پر پڑے گی تو وہ اپنی عبادت پر شرمانے لگے گا، اپنے بھیجے ہوئے ہدیوں پر شرمانے لگے گا، حتی کہ اپنے وجود سے بھی شرمانے لگے گا اور وہ سوچتا رہے گا کہ میں تو کسی بھی قابل نہیں کاش میں درخت بن جاتا، پتھر بن جاتا اور مجھ سے کوئی حساب وکتاب نہ ہوتا۔

عبادت کی مشروعیت کی حکمت:

میرے بھائی! عبادت مشروع ہوئی ہے اس لیے کہ ہم اپنی اس عبادت کے ذریعہ اپنے معبود کو پہچان گئے تو سمجھو کہ دوا فائدہ کرگئی، آپ ذرا اس بات کا اندازہ لگائیں اور غور کریں کہ ہم نے تو عبادت، اپنے معبود کو پہچاننے کے لیے کیا تھا، مگر معبود کو پہچاننے کے بجائے اپنے ہی کو پہچاننے لگے تو یہ عبادت ہم کو جنت میں لے جائے گی یا جہنم میں؟؟

میرے دوستو! عبادت کرنے کا مقصد اور علم حاصل کرنے کا مقصد اللہ تبارک وتعالیٰ کی معرفت ہونی چاہیے، یہی وجہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی ذات کو اور اس کی صفات کو پہچاننے کے لیے پندرہ سے بیس سال تک مدارس میں ہم پڑھتے ہیں؛ لیکن فراغت کے بعد اپنے نام کے آگے مفتی ومولانا لگا کر اسی نام کے ساتھ کارڈ چھپوا لیتے ہیں اور جس مقصد کے لیے پندرہ سے بیس سال تک پڑھے تھے وہ بھول گئے، تو ایسی

صورت میں اس علم کے ذریعہ اپنی معرفت ہوئی ، اللہ تبارک وتعالیٰ کی معرفت نہیں ہوئی، جس سے وہ اپنی بڑائی سمجھ گیا کہ اب تو ہم بڑے ہوگئے اب ہم دوسروں کو سلام کیوں کریں، اب ہم دوسروں سے کیوں ملیں، بلکہ اب تو وہ مجھے سلام کرے اور وہ مجھ سے آ کر ملے، وہ تو علم کے ذریعہ اللہ کو پہچاننے گیا تھا اور اب الٹا ہوگیا، کہ اپنے کو پہچان گیا، ایسے ہی عبادت مشروع ہوئی بندے کو اور عبد کو معبود کی معرفت دینے کے لیے؛ لیکن وہ تو اپنی عبادت کے ذریعہ اپنے کو پہچان رہا ہے اور اپنے نفس کے ناز ونخرے اٹھا رہا ہے، پھر آپ اندازہ لگائیں کہ اس کا وہ علم اور اس کی وہ عبادت اس کو جہنم کے علاوہ کہاں لے جائے گی؟۔

اسی لیے اللہ تبارک وتعالیٰ قرآن کریم میں ارشاد فرماتے ہیں ''وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ'' (سورہ قصص:۸۳) کہ دیکھو جب تم متقی رہو گے، تقویٰ والے صفات اختیار کروگے اور تقویٰ والے اعمال اگر تم کرتے رہوگے، تو تمہارا انجام تم کو صحیح دکھائی پڑے گا؛ اور اگر تم متقی نہیں بنے، تقویٰ والے صفات اور اعمال نہیں اختیار کیے، تو تم یہیں کی کمائی پر خوش ہوکر تباہ و برباد ہو جاؤگے؛ کیوں کہ اصل انجام اگر ہاتھ نہ آئے تو سب بے کار ہے، جیسے کوئی شخص محنت ومزدوری کر رہا ہو اور اس کو اس کی محنت پر کچھ ملنے والا نہ ہو تو یہ سوچ کر اس کو تنگی محسوس ہونے لگتی ہے کہ صاحب جو میں کما رہا ہوں وہ سب ضائع ہو رہا ہے۔

نیکیوں کی حفاظت کریں:

بہر حال میں یہ کہہ رہا تھا کہ ہمیں اپنے کیے ہوئے کاموں پر نظر تو بہت رہتی

ہے؛لیکن جن چیزوں سے ہمیں بچنا چاہیے اس پر ہماری نظر نہیں رہتی،جس کی وجہ سے کیے ہوئے اعمال بھی ضائع ہوجاتے ہیں،جیسے آپ نے کسی غریب انسان کو صدقہ دیا تو اس دیئے ہوئے صدقہ کے اجر کو اور اس کے ثواب کو باقی رکھنے کے لیے اللہ تبارک و تعالیٰ قرآن کریم میں ارشاد فرماتے ہیں: ”یٰـا اَیُّھَـا الَّـذِیْـنَ آمَـنُـوا لَا تُبْـطِـلُـوْا صَـدَقٰـتِـكُـمْ بِـالْـمَـنِّ وَالأذٰی. (سورۃ البقرۃ:۲۶۴) یعنی اے مسلمانو!تم اپنے صدقات کو مَنّ واذی سے اس کو احساس دلا کر اور ان کو تکلیف پہنچا کر ختم نہ کرو،تم نے اس کا تعاون کیا تھا جس سے اس کو خوشی ہوئی تھی لیکن جب طعنہ مار دیا تو اس کی وہ خوشی ختم ہوگئی،لہٰذا تمہارے صدقات کے اجر بھی ختم ہوگئے؛اس کو اپنی نیکی تو یاد رہتی ہے لیکن اس کو بچانا بھی ہے وہ یاد نہیں رہتا،اگر وہ شخص من واذیٰ سے گذر گیا ہے تب بھی اس کو اپنی نیکی شمار کرتا رہتا ہے اور اس کو خیال بھی نہیں آتا کہ میں نے اس کو من واذیٰ کے ذریعہ باطل کردیا ہے،آپ نے نماز پڑھی،روزہ رکھا اور حج کیا؛لیکن ایک ریا اور دکھاوے کی بمباری نے برسوں کی عبادت کو منٹوں میں ضائع کردیا،اس ضائع کردینے والی حرکت پر ہماری نظر نہیں جاتی بس کیے ہوئے اعمال پر نظر جاتی ہے؛لیکن یہ عمل باقی رہا یا نہیں؟اس کی بالکل ہی فکر نہیں!۔

اخلاق کی درستگی اعمال صالحہ کے بقا کا ذریعہ ہے:

میرے دوستو!اسی لیے بزرگوں نے لکھا ہے کہ نیکیاں کمانا بہت آسان،بہت آسان،حتی کہ سوچنے پر بھی نیکی مل جاتی ہے اور صحیح فکر پر اللہ تبارک وتعالیٰ اجر عطا فرمادیتے ہیں،چنانچہ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا

ارشاد نقل فرماتے ہیں: ’’نِيَّةُ الْمُؤمِنِ خَيْرٌ مِّنْ عَمَلِهٖ‘‘ یعنی اعمال سے بہتر اس کی نیت کبھی اتنی اچھی ہوجائے گی کہ اس نیت ہی کی برکت سے جنت میں چلا جائے گا، اب بتایئے نیت کرنے میں کچھ لگتا ہے! کچھ بھی نہیں لگتا؛ مثلاً آپ نے کسی کے ساتھ خیرخواہی کرنے کی نیت کرلی، تو صرف نیت کرنے ہی پر ثواب اور اجر مل گیا، اسی طرح آپ نے اپنی زبان سے سبحان اللہ نکالا تو آپ کو اس کا اجر دے دیا گیا۔ معلوم یہ ہوا کہ نیکی کمانا آسان تو ہے؛ لیکن نیکی کو گنوانے سے بچانا مشکل کام ہے، ہمارے حضرت والا محی السنہ شیخ المشائخ عارف باللہ حضرت اقدس مولانا شاہ ابرارالحق صاحب ہردوئی علیہ الرحمہ اور حکیم الامت مجدد الملت حضرت اقدس مولانا شاہ اشرف علی صاحب تھانوی علیہ الرحمہ نے لکھا ہے کہ دیکھو علم سے اور عمل سے نیکیاں کمائی جاتی ہیں اور اخلاق کی درستگی سے نیکیاں بچائی جاتی ہیں، اگر ہم نے اعمال پر محنت تو کیا، لیکن اخلاق پر محنت نہیں کی تو سب کیا کرایا برباد اور بے کار ہوجائے گا۔

دھن اور دھیان سفر آخرت کا توشہ ہے:

ہمارے بزرگوں نے سکھایا ہے کہ بھائی نیکی کر اور دریا میں ڈال، اس کا مطلب کیا ہے؟ اس کا مطلب یہی ہے کہ اس کو بار بار مت سوچو، ورنہ آگے نیکی کرنے کی توفیق ختم ہوجائے گی اور اسی کے زعم میں رہ جاؤ گے۔ حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی نوراللہ مرقدہٗ فرماتے ہیں کہ یہاں دھن میں رہو کہ آخرت کا ایک عمل بھی نہ چھوٹنے پائے اور یہ بھی خیال میں رہے کہ وہ دیکھ رہے ہیں؛ فرمایا کہ دھن اور دھیان دونوں پوری زندگی لگا رہے کہ جو زندگی ملی ہے اس سے کچھ

کمالیں، اس سے کچھ بنالیں اور اس سے اپنی آخرت میں نیکیاں بچالیں، اس لیے کہ انسان کو وہاں وہی نیکیاں ملیں گی جو یہاں سے منتقل ہو کر گئی ہوں، یہ دھن ہو کہ آخرت کے لیے کچھ کمالیں اور ہمارے اندر تو آخرت کا دھیان ہی نہیں آتا اگر خیال آتا بھی ہے تو صرف دنیا پھیلانے کا خیال آتا ہے، اس کو پھیلاتا رہتا ہے، پھیلاتا رہتا ہے پھر وہی اس کو نچوڑ کر اپنے پیٹ میں لے لیتا ہے ایک وقت انسان زمین پر محنت کرتا ہے اور دوسرے وقت میں زمین اس پر محنت کر رہی ہوتی ہے۔

دھن اور دھیان کی انمول مثالیں:

میرے دوستو! اس دھن اور دھیان کی مثالیں تو بہت عجیب عجیب ہیں، چنانچہ مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب نور اللہ مرقدہٗ لکھتے ہیں کہ گھر سے جب میں مدرسہ جاتا ہوں تو راستہ میں رکشہ میں بھی کچھ خطوط لکھ دیتا ہوں تاکہ اس درمیان کا وقت ضائع نہ ہونے پائے۔

میرے دوستو! حضرت والا علیہ الرحمہ کو کس قدر نیکی کرنے کی اور آخرت کی تیاری کی فکر تھی، اس سے بخوبی معلوم ہو جاتا ہے؛ نیز حضرت والا علیہ الرحمہ مزید لکھتے ہیں کہ بیت الخلاء میں جاتا ہوں تو وہاں ضائع ہونے والا وقت مجھے کھلتا ہے، اس لیے میں وہاں بیٹھ کر اکثر لوٹے ڈھل دیا کرتا ہوں تاکہ وقت استعمال ہو کر کچھ کام ہو جائے، آپ اس سے اندازہ لگائیں کہ ہمارے اکابر اپنے اوقات کی کس قدر حفاظت کرتے تھے۔

حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی علیہ الرحمہ فرماتے تھے کہ جب استنجا خانہ میں جاتا ہوں تو اپنی زبان کو دانت سے دبا کر بیٹھتا ہوں، اس لیے کہ ذکر اللہ کے ساتھ زبان

اس قدر چلتی رہتی ہے، کہ اگر زنجیر سے باندھ کر نہ رکھوں تو وہ وہاں بھی چل پڑے۔

دوستو! ان حضرات کے اندر کس قدر عمل کا دھن اور اللہ کا دھیان رہتا تھا، ان واقعات سے آپ کو بخوبی اندازہ ہو گیا ہوگا کہ اپنا کوئی وقت ضائع ہوتے دیکھ کر ان کو افسوس ہوتا تھا۔

شاہ وصی اللہ صاحبؒ کا واقعہ:

حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب نور اللہ مرقدہٗ کے یہاں ان کے آخری ایام زندگی میں بہت لوگ آتے تھے، تو حضرت والا علیہ الرحمہ ان لوگوں سے بطور تنبیہ یہ فرمایا کرتے تھے کہ بھائی تمہیں نہ کچھ لینا ہے اور نہ کچھ دینا ہے، لہٰذا یہاں سے آپ لوگ نکل جائیں! کیوں کہ اس سے ہمارا بھی وقت ضائع ہوتا ہے اور تم بھی اپنا وقت ضائع کرتے ہو۔

اپنی پوری زندگی نگرانی کے ساتھ گزارنے کا نام تقویٰ ہے:

میرے دوستو! اپنی زندگی سے آخرت بنانے کا جو ہمارا مقصد تھا وہ مقصد ہی ختم ہو گیا، اس دنیا میں آنے کا جو مقصد ہے، اگر انسان اسی کو بھول جائے تو پھر وہ بے بریک زندگی گزارنے لگ جاتا ہے اور تقویٰ کا حاصل بھی یہی ہے کہ انسان بے بریک زندگی گذانے کے بجائے اپنی نگرانی کرنے لگے، ڈرائیور اپنی گاڑی کی نگرانی کرتے ہوئے گاڑی چلاتا ہے کہ کہیں آگے سے ٹکر نہ لگ جائے اور میرے پیچھے سے کوئی ٹکر نہ ماردے، بریک مارنے کے بعد کسی کو کچھ نقصان نہ ہو جائے؛ تو ایک کامل ڈرائیور ان

تمام چیزوں کی رعایت کر کے گاڑی چلاتا ہے،اسی طرح آپ کو بھی اپنی زندگی کی گاڑی چلانے کا ڈھنگ سیکھنا ہے، ہمیں ہر وقت فکرمند رہنا چاہیے کہ ہماری زبان کوئی ایسا جملہ نہ بول دے جس سے اللہ تبارک وتعالیٰ کے یہاں ہماری پکڑ ہوجائے، ہمارے اعضاوجوارح کہیں ایسی جگہ استعمال نہ ہوں جو اللہ کی گرفت کا ذریعہ ہوجائے، ہمارا دماغ کسی کی برائی نہ سوچے جس کی وجہ سے ہم اللہ کے یہاں پکڑے جائیں،اسی طرح ہمارا دل کسی کو حقیر نہ سمجھ لے جس کی وجہ سے اللہ تبارک وتعالیٰ ہمارے خلاف قیامت کے دن اولین وآخرین کے سامنے مقدمہ قائم فرمادے،اس لیے یہ انسان جب اپنے اعضاءوجوارح کے متعلق بے حد متفکر ہوگا اور یہ سوچتا رہے گا کہ ہمارے یہ اعضاء کہیں ایسا کوئی کام نہ کرلیں جو ہماری رسوائی کا ذریعہ ہو،تب جا کر اس کے ہاتھ پیر اور اعضا وجوارح قابو میں آئیں گے۔آپ تو سوچتے ہوں گے کہ یہ تو بڑا ہی آسان کام ہے، یہ اتنا آسان کام نہیں ہے جتنا آپ سوچ رہے ہیں۔

خانقاہیں انسان بنانے کی فیکٹریاں ہیں:

اور پوری خانقاہ کا حاصل یہی ہے کہ یہاں انسان بنایا جاتا ہے،اس کو تمام مخلوق کے ساتھ ہمدردی اور خیر خواہی کرنا سکھایا جاتا ہے، رواداری اور بھائی چارگی کے ساتھ زندگی گذارنے کا درس دیا جاتا ہے، معاصی ، نافرمانی ، زناکاری ، بدکاری اور فحاشی کے اسباب اور ذرائع پر تالے لگوا کر خالق دوجہاں سے محبت کرنے کا طریقہ سکھایا جاتا ہے،تکبر،غرور اور گھمنڈ جیسے سینکڑوں اخلاق رذیلہ اور اخلاق ذمیمہ کا سد باب کر کے اللہ رب العالمین کے سامنے تواضع ، انکساری، حاجت مندی اور عاجزی

کرنے کا سلیقہ سکھایا جاتا ہے۔

الغرض میں یہ عرض کر رہا تھا کہ خانقاہوں میں انسان بنائے جاتے ہیں اور انسان وہی ہوتا ہے جو کسی کے کام آئے اور حیوان وہ ہوتا ہے جو دوسروں سے صرف اپنا کام نکالے، لیکن آج آپ دیکھیں تو یہ دنیا حیوانوں سے بھری جارہی ہے، جانوروں سے بھری جارہی ہے، کوئی انسان انسان بننے کے لیے تیار نہیں، انسان بننا تو دور کی بات انسانوں کو دیکھنا اوران سے باتیں کرنا گوارا نہیں کرتا۔

نفع پہنچانے والا ہی حکمراں ہوتا ہے:

میرے دوستو! انسانوں کے دو ہی طبقے ہیں، نافع اور منتفع، نفع اٹھانے والا اور نفع پہنچانے والا، مسلمان نفع پہنچانے والا تھا اور جو نفع پہنچانے والا ہوتا ہے اس کے متعلق آپ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں ”خَيْرُ النَّاسِ مَنْ يَنْفَعُ النَّاسَ“ (کشف الخفا:ص۴۷۲، ج۱) یعنی لوگوں میں سب سے بہتر وہ ہے جو لوگوں کو نفع پہنچائے، قرآن کریم میں اللہ تبارک وتعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:”وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ“ (سورۂ آل عمران:۱۳۹) یعنی اگر تم مومن رہوگے تو تم ہی سربلند رہوگے؛ لیکن آج مسلمانوں نے اپنے ایمانی تقاضے کو چھوڑ دیا جس کی وجہ سے پستی اور ذلت اس کے حصے میں آگئی، جس دن یہ اپنے آپ کو خیر الناس بنالے گا، اسی دن پھر ساری دنیا کی حکومت اس کو مل جائے گی اور ساری دنیا پھر سے اس کے ماتحت بن جائے گی؛ اس لیے کہ یہ انسان اپنے نفع پہونچانے والے کو بڑی آسانی سے جانتا اور پہچانتا ہے، بڑے آدمی کو تو چھوڑیئے، ایک بچہ اپنی ماں کو اور اپنی والدہ کو کتنی آسانی سے

پہچانتا ہے وہ سب کو معلوم ہے، ایک بچہ اپنی ماں کو نافع ہونے کی حیثیت سے اس کو اپنا ہمدرد اور خیر خواہ ہونے کی حیثیت سے کتنی آسانی سے پہچانتا ہے اور ماں کی محبت کو ایک چھوٹا سا بچہ بھی محسوس کرتے ہوئے اپنی ماں کی گود میں جانے کے لیے کتنا تڑپتا اور بے چین ہو جاتا ہے۔ حضرت تھانوی علیہ الرحمہ کے بقول ایک سجی سجائی عورت کے گود میں جانے کے لیے تیار نہیں ہوتا، بلکہ وہ تو اپنی میلی کچیلی ماں کی گود ہی میں سکون محسوس کرتا ہے اور کوئی اس کو اس کی ماں کی گود سے چھینے تو وہ اپنی ماں سے چمٹ جاتا ہے۔

آپ کہتے ہیں کہ یہ غیر مسلم ہمیں پہچانتے نہیں، تو اتنی سی بات یاد رکھیں کہ یہ آپ کو جب ہی پہچانیں گے جب کہ آپ ان کو نفع پہونچائیں، جب آپ ان کو نفع پہونچائیں گے تو آپ کی شناخت کوئی چھین نہیں سکتا۔

حدیث کا ضابطہ ہے ''خَیۡرُ النَّاسِ مَنۡ یَنۡفَعُ النَّاسَ'' کہ لوگوں میں بہتر وہی ہوتا ہے جو لوگوں کو نفع پہونچائے، یہی وجہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآن کریم میں ''کُنۡتُمۡ خَیۡرَ اُمَّۃٍ'' کہہ کر اس امت کی خیریت کو بیان فرمایا اور اس خیریت کی وجہ بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ''اُخۡرِجَتۡ لِلنَّاسِ اَیۡ لِنَفۡعِ النَّاسِ'' یعنی یہ امت باعث فضیلت کیوں ہے، خیر امت کیوں ہے؟ فرمایا اس امت کا جذبہ یہ ہے کہ یہ تو لوگوں کو نفع پہنچانے کے لیے بے قرار رہتی ہے، دوسروں کو نفع پہنچانے کے لیے ہمہ وقت کمر بستہ اور تیار کھڑی رہتی ہے دن ہو یا رات، صبح ہو یا شام، دوپہر ہو یا سہ پہر ان کو ہر وقت دوسروں کو نفع رسانی کی فکر سوار رہتی ہے، جس کے اندر لوگوں کو نفع پہنچانے کا جذبہ ہوگا وہی بڑا ہوگا اور جس سے کسی کو نفع پہنچتا ہے اس کے متعلق دنیا کہتی ہے ''الانسان عبدالاحسان'' یعنی یہ انسان تو اپنے محسن کا اور اپنے اوپر احسان کرنے

والے کا غلام اور بندہ بن جاتا ہے، لہٰذا اگر وہ انسان ہے تو اسکی فطرت یہ ہے کہ وہ اپنے محسن کے احسان تلے دب جائے، فطرت کے خلاف جو لوگ ہیں وہ تو اس سے الگ ہیں لیکن عمومی طور پر انسان فطرتاً احسان کے نیچے دب جاتا ہے، اگر کوئی شخص کچھ جری قسم کا ہوتا ہے تو وہ تھوڑی دیر میں دبتا ہے اور جو زیادہ احسان کے منتظر ہوتے ہیں وہ جلدی دب جاتے ہیں، جیسا کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے موقع پر قریش کے سردار لوگوں کو سو سو اونٹ تقسیم کیے تو وہ لوگ کلمہ گو ہو گئے، تو معلوم ہوا کہ وہ لوگ پہاڑ کے مثل جری تھے ان پر بوجھ زیادہ رکھنا پڑا تب جا کر مسلمان ہوئے اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احسان تلے دبے، بہر حال کسی کے احسان کے تلے دب جانا یہ ایک انسانی فطرت ہے، لہٰذا اگر تم رفعت و بلندی چاہتے ہو، عزت و جاہ چاہتے ہو اور حکومت و سلطنت چاہتے ہو تو اللہ تبارک و تعالیٰ کے بیان کردہ اس صفت کو اپناؤ اور عملِ زندگی بناؤ پھر حکومت و سلطنت تمہاری مقدر بن جائے گی۔

مسلمانوں کا لیڈر کیسا ہونا ضروی ہے:

حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا شاہ اشرف علی صاحب تھانوی نور اللہ مرقدہٗ لکھتے ہیں کہ آج لیڈران قوم گیڈران قوم ہیں، حضرت نے فرمایا کہ ان کو کبھی اپنا لیڈر مت سمجھنا! اس لیے کہ یہ نفع اٹھانے کے لیے جاتے ہیں، یہ اپنا فائدہ اٹھانے کے لیے کام کرتے ہیں اسی لیے تو ایک لاکھ روپیہ خرچ کر کے ایک کروڑ ستر لاکھ چھیاسٹھ ہزار گھپلا مار دیتے ہیں، گویا یہ گیڈران قوم بزنس کرنے جاتے ہیں اور جب وہاں کوئی اپنا بزنس کرنے کے لیے جائے گا تو قوم کے لیے کیا کرے گا؟ کچھ بھی نہیں! کیوں کہ

بزنس اور خدمت میں بڑا فرق ہے، حضرت نے فرمایا کہ وہی لیڈر کسی کے کام آسکتا ہے جو پہلے اپنے کام کا بنے جب وہ خود اپنے کام کا نہیں تو پھر وہ کسی کے کام کا نہیں، جس کو خود فکر آخرت نہیں تو وہ کسی کے کام کا نہیں اور جس کو خود اپنی آخرت بنانے کی فکر نہیں تو آپ بتائیں کہ وہ کس کے کام آسکتا ہے؟

چنانچہ حضرت والا تھانوی کے ملفوظات میں لکھا ہے کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے ایک مرید خاص حضرت مولانا نبی محمد صاحب تھے جو بعد میں خلیفہ بھی ہوئے، حضرت والا علیہ الرحمہ بھی ان سے بڑی محبت فرمایا کرتے تھے تو ان کے گاؤں والوں نے مولانا سے کہا کہ حضرت فی الحال جو الیکشن ہونے والا ہے اس میں ممبری کے لیے آپ کا نام آجاتا تو بڑا ہی اچھا ہوتا اور آپ کے مقابل میں بھی کوئی نہیں آسکتا؛ تو مولانا نے کہا کہ میں یہ کام خود نہیں کرسکتا، جب تک کہ حضرت والا سے مشورہ نہ کرلوں؛ لوگوں نے کہا ٹھیک ہے ہم لوگ بھی حضرت سے سفارش کریں گے، اور جب حضرت حکیم الامت علیہ الرحمہ سے مشورہ لیا گیا، تو حضرت نے لکھا کہ ''ہرگز نہیں! جب تک تعلق مع الخالق مضبوط نہ ہو، تعلق مع الخلق مضر ہوتا ہے'' حضرت والا کا یہ جملہ کمالات اشرفیہ میں لکھا ہوا ہے، فرمایا جب تک تعلق مع اللہ مضبوط نہ ہوگا تب تک تعلق مع المخلوق مضر ہوگا، اللہ کی محبت میں جب قوت پیدا ہوگی اور اس کا تعلق مضبوط ہوگا تو اللہ کی خوشیوں کا کام کرے گا اور جب مخلوق کا تعلق غالب رہے گا، تو مخلوق کی خوشیوں کے لیے خالق دوجہاں کو ناراض کرے گا؛ اسی لیے فرمایا کہ مخلوق کا کام وہ کرنے جائے جو اللہ رب العزت کے تعلق میں راسخ ہو، اللہ رب العزت کے تعلق میں مخلوق پھر مخل نہ ہونے پائے، اللہ کے تعلق کو مال پھر کمزور نہ کرنے پائے، اللہ کے تعلق کو اہل وعیال کمزور نہ

کرنے پائیں، اللہ کے تعلق کو مال و دولت اور حکومت و سلطنت کمزور نہ کرنے پائے، تب اس کو اللہ کے تعلق سے مخلوق کے تعلق کی طرف دھیان کرنا جائز ہوگا اس سے پہلے جائز ہی نہیں۔

میرے دوستو! اب آپ غور کریں کہ ہمارے ہندوستان میں آپ کو کتنے آدمی ایسے ملیں گے جو اللہ سے اپنا تعلق مضبوط کرنے کے بعد اللہ کے مخلوق کی طرف متوجہ ہوتے ہوں؟ آج ہمارے کام کی بربادی کا راز یہی ہے کہ ہم لوگ اللہ رب العزت کے تعلق سے خالی ہوتے جارہے ہیں، اسی لیے اندھیرے میں الگ، اجالے میں الگ، مجلس میں الگ، تنہائی میں الگ؛ تو کیا ایسا آدمی پکا مسلمان ہے بھائی؟ نہیں! وہ تو منافق ہے؛ کیوں کہ اس کا ظاہر کچھ، باطن کچھ، اندر کچھ باہر کچھ، مخلوق کے ساتھ کچھ، خالق کے ساتھ کچھ ہے، اگر یہی بات ہے تو وہ اپنا ہی خیر خواہ نہیں ہے اور جو اپنا خیر خواہ نہیں ہے وہ تو کسی کا خیر خواہ نہیں ہوسکتا، اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآن پاک میں ایک ضابطہ بیان فرمایا ہے: ”یٰا اَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا قُوْا اَنْفُسَکُمْ وَاَھْلِیْکُمْ نَاراً“ (التحریم:٦) یعنی ”اے مسلمانو! پہلے اپنے آپ کو بچاؤ، پھر اپنے اہل وعیال کو بھی بچاؤ! پھر اور لوگوں کو اس جہنم کی آگ سے بچاؤ! جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہوں گے“ اس آیت کو سمجھانے اور سمجھنے کے لیے میں کھانے کی ایک مثال دیا کرتا ہوں، وہ یہ ہے کہ انسان اپنا کھانا کھانے کے لیے کن کن اشیاء کا انتظام کرتا ہوں اور مزید اس کو وقت پر بھی کھانے کا کس قدر اہتمام کرتا ہے لیکن دوسروں کو کھلانے کی فکر ایک دو آنہ بھی نہیں ہوتی۔

حضرت تھانوی فرماتے ہیں کہ دیکھو! نبی کا کام یہ نہیں کہ ہزاروں کو جنت میں پہونچا کر خود جہنم میں چلے جائیں، نبی کا یہ کام نہیں کہ دوسروں کو جنت میں پہنچانے کے

لیے خود جہنم میں چلا جائے، بلکہ نبی کا کام یہ ہے کہ جن کے قدموں کے متبعین لاکھوں لاکھ جنت میں پہنچ جائیں تو پہلا قدم نبی کا جائے اور دوسرا قدم اس کے بعد متبعین کا جائے، نبی کا کام یہ ہے کہ خود بھی جنت میں جائے اور دوسروں کو بھی لے جائے؛ بہر حال اگر کوئی شخص دوسروں کی دنیا بنانے کے لیے اپنی آخرت کو تباہ و برباد کرتا ہے تو اس کے لیے یہ جائز نہیں ہے، لہٰذا اگر کوئی شخص مسلمانوں کا لیڈر اور خادم بننا چاہتا ہے تو اسے چاہیے کہ پہلے وہ اپنی آخرت کی فکر کرے، اپنے ظاہری اور باطنی اخلاق کو درست کر کے اللہ رب العزت سے محبت اور تعلق پیدا کرے، تب کہیں جا کر ان کی ترقی ہوگی ورنہ تو وہ شخص اس کو اپنا ذریعۂ معاش اور ایک بزنس کا ذریعہ بنا لے گا اور قوم کو علم کی ترقی کے بجائے تنزلی اور پستی ہی ہاتھ آئے گی۔

مسلمانوں سے ایک گذارش:

اللہ تبارک وتعالیٰ قرآن کریم میں ارشاد فرماتے ہیں: ”**يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا عَلَيْكُمْ اَنْفُسَكُمْ لَايَضُرُّكُمْ مَنْ ضَلَّ اِذَا اهْتَدَيْتُمْ**“. (المائدة: ۱۰۵) یعنی اے مسلمانو! تم اپنی ہدایت اور اپنی اصلاح کو بالکل لازم پکڑ لو، ہر وقت اپنی اصلاح کی اور اپنی ہدایت کی فکر کرتے رہو؛ کیوں کہ اگر تم ہدایت یافتہ نہیں رہو گے، تمہاری اصلاح کسی شیخ کامل کی صحبت میں رہ کر نہیں ہوئی ہوگی، تم متقی کامل کی صحبت میں رہ کر اپنے ظاہری اور باطنی احوال کو درست نہیں کیے رہو گے، تو کہیں گمراہ لوگوں کی صحبت میں رہ کر تم بھی گمراہی کے راستہ اختیار نہ کر لو؛ لیکن اگر تم ہدایت یافتہ رہو گے، اپنے عقائد اور اخلاق کو درست کیے رہو گے تو پھر گمراہ لوگوں کی گمراہی تمہارا کچھ بگاڑ نہیں سکتی، تم تو

دنیائے کفر کے ایوان میں بھی اللہ اوراس کے رسول کی باتیں کرتے رہوگے، دنیائے کفر لاکھ چاہے کہ تمہاری آواز دبادے، تمہاری کوششوں کو کچل دے اور تمہاری اسکیموں کو فیل کر کے تمہارے خلاف طرح طرح کی کوششیں کرتا رہے؛ لیکن اللہ تعالیٰ ان کفار کے ناپاک کوششوں کا جواب دینے کے لیے تیار ہے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ''وَمَكَرُوْا وَمَكَرَ اللهُ وَاللهُ خَيْرُ الْمَاكِرِيْنَ'' یعنی کفار مسلمانوں کے خلاف اسکیمیں چلاتے ہیں، ان کے خلاف پروپگنڈہ کرتے ہیں، ان کے خلاف میٹنگیں کرتے ہیں؛ لیکن ادھر اللہ رب العزت بھی مسلمانوں کے حق میں اسکیمیں چلا کر ان کے تمام پروپیگنڈوں اور میٹنگوں کو تہس نہس کر کے بالآخر اپنی ہی اسکیم پاس کرتا ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ قرآن کریم میں ایک جگہ اور ارشاد فرماتے ہیں: ''هُوَ الَّذِيْ اَرْسَلَ رَسُوْلَهُ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهِ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ''. (التوبہ:۳۳) یعنی یہ کفار ومشرکین اور یہود ونصاریٰ لاکھ بار اسلام اور مسلمانوں کے خلاف پروپیگنڈہ کریں، لیکن اللہ تعالیٰ تو پوری دنیا کے ادیان باطلہ پر مذہب اسلام کو غالب کر کے رہے گا۔

بس شرط یہ ہے کہ تم اپنے عقائد کی، اپنے اخلاق کی، خواہ اخلاق ظاہری ہو یا باطنی ہو، درست کر کے مومن بن جاؤ۔

ایک حکیمانہ قول:

میرے محترم بزرگوا دوستو! آج ہماری یہ سوچ چل رہی ہے کہ اتنی نیکی کرو اتنی نیکی کرو کہ جنت سے بھی پار ہو جاؤ، جنت سے بھی اچھل کر آگے نکل جاؤ، حالانکہ حکیم

اختر صاحب نوراللہ مرقدۂ کے ملفوظات میں کسی بزرگ کے حوالہ سے یہ بات نقل کی گئی ہے کہ اتنا عمل کرنا بھی جائز نہیں جس سے وہ اپنے کو بڑا سمجھنے لگے، فرمایا اتنا نہ کرو کہ اپنے اندر عجب پیدا ہوجائے، بس اتنا کرو کہ کرتے رہو اور ڈرتے رہو، شیطان نے اتنا کرلیا تھا کہ عجب پیدا ہوگیا تھا اور اسی عمل کی کثرت سے وہ مارا گیا۔

غزوۂ حنین میں بظاہر شکست کی وجہ عجب تھی:

اللہ رب العزت نے غزوۂ حنین میں اولاً مسلمانوں کی جو شکست ہوئی تھی اس کو بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: ''اِذْ اَعْجَبَتْکُمْ کَثْرَتُکُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْکُمْ شَیْئًا وَضَاقَتْ عَلَیْکُمُ الاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ وَلَّیْتُمْ مُدْبِرِیْنَ. (سورۂ توبہ:۲۵) یعنی تم کو تمہاری کثرت نے عجب میں ڈال دیا تھا اس لیے عذاب میں مبتلا کیے گئے، نیز ایک حدیث میں یہ بھی ہے کہ بعض صحابہ کی زبان سے یہ جملہ نکل گیا کہ ''لَنْ نُغْلَبَ الیَوْمَ بِقِلَّةٍ ''، یعنی آج قلت کی وجہ سے ہم مغلوب نہیں ہوسکتے، کیوں کہ ہمارے پاس تو بارہ ہزار کی فوج ہے اور بارہ ہزار کا لشکر، لشکر جرار سمجھا جاتا ہے، ہمارے پاس جب اتنی بڑی فوج ہے تو ہم جاتے ہی شکست دے دیں گے؛ لیکن جب گئے تو تیروں کی ایسی بارش ہونے لگی، کہ صحابہؓ کو اولاً شکست کا سامنا کرنا پڑا، پھر بعد میں چل کر اللہ تعالیٰ نے ان کی مدد فرمائی اور ان کفار کو شکست ہوئی۔

شکست وفتح کا ضابطہ:

ہمارے حضرت محی السنہ شیخ المشائخ عارف باللہ حضرت اقدس مولانا شاہ ابرار

الحق ہردوئی علیہ الرحمہ فرمایا کرتے تھے کہ چوں کہ غزوۂ بدر میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری پوری اطاعت ہوئی تھی، اس لیے وہاں قلت کے باوجود مسلمان کامیاب ہوگئے اور غزوۂ احد میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ظاہری نافرمانی ہوئی، اس لیے وہاں شکست ہوئی، اور غزوۂ حنین میں کسی کی باطنی خرابی کی وجہ سے بظاہر شکست ہوئی، تو چوں کہ غزوۂ بدر میں نہ ظاہری کمی ہوئی نہ باطنی، اس لیے قلت کے باوجود کامیابی ان کا مقدر بن گئی۔

عُجب ایک مہلک بیماری ہے:

میرے دوستو! قرآن کریم میں غزوۂ حنین کا تذکرہ کرتے ہوئے اللہ تبارک و تعالیٰ نے لفظ اعجاب استعمال کیا ہے کہ تمہاری کثرت تم کو اچھی لگنے لگی، اس لیے ہم نے تم کو اولاً شکست کا مزہ چکھایا، لیکن تعجب یہ ہے کہ ہمیں خیال تک نہیں آتا کہ یہ بھی کوئی گناہ ہے، کسی انسان کو اپنی بات اچھی لگنے لگے، کوئی اپنے کو اچھا سمجھنے لگے، اپنی رائے کو اچھی رائے بتانے لگے تو اپنی کسی بھی چیز کو اچھا سمجھنا اعجاب کہلاتا ہے اور اعجاب گناہ کبیرہ میں سے ایک ہے، حدیث میں آتا ہے کہ کبر اور عُجب انسان کا یہ دو مہلک مرض ہے۔

عُجب کی ایک واضح مثال:

ایک قاری صاحب نے کسی مجلس یا جلسہ میں تلاوت کی تو کہنے لگے کہ بھائی بہت اچھی تلاوت ہوگئی، مقرر صاحب نے کسی جلسہ یا پروگرام میں خوب دھواں دھار تقریر کی اور خوب واہ واہ ہوئی تو فرمایا کہ بہت اچھی تقریر ہوگئی، نعت پڑھنے والے نے

کسی جلسہ یا جلوس میں یا کسی پروگرام میں اچھی نعت پڑھ دی اور خوب داد سے نوازے گئے اور انعامات سے پوری جیب بھر گئی تو فرمایا بہت اچھی نعت ہم نے پڑھ دی؛ اب چوں کہ یہ بات ظاہر ہے کہ ایک آدمی ناقص ہے تو اس سے کامل چیز کا ظہور کیسے ہوسکتا ہے؟ ناقص سے تو ناقص ہی کا ظہور ہوگا ناقص سے کامل چیز کا صدور کیسے ہوسکتا ہے؟

عبادات کے بعد استغفار کے حکم کی وجہ:

اسی لیے تو عبادات کے بعد بھی استغفار کرنے کی ضرورت ہے، حدیث میں آتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سلام پھیرنے کے بعد (اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ الْعَظِیْم اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ الَّذِیْ لاَاِلٰہَ اِلاَّ ھُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ وَاَتُوْبُ اِلَیْہِ. پڑھا کرتے تھے، نماز پڑھنا کونسا گناہ کا کام ہے؟ کوئی بھی گناہ کا کام نہیں؛ لیکن استغفار کیوں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھ کر سنت قرار دے دیا، بس اسی بات کو سمجھانے کے لیے کہ یقیناً تم نے اللہ کی عبادت کی ہے؛ لیکن چوں کہ عبادت کرنے والا ناقص ہے اور جس کی عبادت کی گئی ہے وہ کامل ہے اور ناقص کامل کا حق کیسے ادا کرسکتا ہے؟ اس میں کچھ نہ کچھ چوک ہوجاتی ہے تو اس چوک کا تدارک یہی ہے کہ استغفار کیا جائے اور جب استغفار کرے گا تو نہ کبر پیدا ہوگا نہ عجب، جب آپ کو خود ہی اپنی ناقصیت کا اعتراف ہے تو بڑائی کیسے پیدا ہوگی؛ اسی لیے کہتے ہیں کہ بزرگوں کی صحبت میں برسوں رہنے کے بعد اس کو احساس ہوتا ہے کہ ہمارے اندر بھی کچھ برائی ہے ورنہ ماشاء اللہ سبحان اللہ اور بہت اچھا بہت ٹھیک میں زندگی گذر جاتی ہے اور کہتے رہتے ہیں کہ حضرت بس آپ لوگوں کی دعا ہے کہ اللہ کی رحمت برس رہی ہے۔

’’اُخرِجَتْ لِلنَّاسِ‘‘ کی تفسیر:

بہر حال میں یہ کہہ رہا تھا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتے ہیں: ’’کُنتُم خَیرَ اُمَّةٍ اُخرِجَتْ لِلنَّاسِ‘‘ کہ تم تو خیر امت ہو، دوسروں کی بھلائی کے لیے نکالے گئے ہو، تو اس آیت کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ایک کمپنی کھول کر خوب کماؤ اور بڑے پیمانہ پر روپیہ اکٹھا کرو اور لوگوں کو اس کے ذریعہ نفع پہنچاؤ، چنانچہ ایک صاحب مجھ سے کہنے لگے کہ حضرت میں سوچتا ہوں کہ خوب کماؤں اور خوب روپیہ خرچ کروں، میں نے کہا: کیوں تم کو یہ خیال آنے لگا؟ کیا اللہ تبارک وتعالیٰ کو تمہارا مال و دولت چاہیے؟ اس نے کہا نہیں! تو میں نے کہا کہ تم نے پھر یہ بات کیسے سوچ لی؟ وہ کہنے لگا: کہ مدرسہ والے تو یہ کام نہیں کر سکتے، اس لیے میں نے سوچا تھا، کہ میں ہی کروں، میں نے کہا کہ ہرگز نہیں: بالکل یہ مت سمجھنا! اللہ کو ہرگز مال نہیں چاہیے، اللہ تبارک وتعالیٰ کو تو تمہاری ذات چاہیے، اللہ تبارک وتعالیٰ تم کو اپنا بندہ دیکھنا چاہتے ہیں، تم اپنی ذات سے اللہ کو خوش کرنے والا بنو، اللہ رب العزت کو راضی کرنا یہ تمہاری ذمہ داری ہے؛ مال کما کر اور رشوت دے کر کام چلانا تمہارا کام نہیں ہے، پہلے تم عقائد حسنہ اور اعمال صالحہ اور اخلاق حمیدہ سے مزین ہو کر اپنے رب کو راضی کرو! اس کے بعد دوسروں کی نفع رسانی کی فکر کرنا اور دوسروں کو نفع رسانی کی سب سے بہتر صورت یہ ہے کہ تم ان کو دین کا نفع پہنچاؤ۔

محبوب ہی کا مال محبوب ہوتا ہے:

میرے دوستو! اپنے ذہنوں سے یہ بات نکال دی جائے کہ مال ہمارا تدارک کر

جائے گا، اللہ کو اسی کا مال محبوب ہے جو اللہ تبارک وتعالیٰ کا محبوب ہو، محبوب کا مال ہی محبوب ہوتا ہے غیر محبوب کا مال تو معتبر ہی نہیں، ورنہ اللہ تبارک وتعالیٰ قارون کا خزانہ کیوں زمین میں دھنسواتے؟ آپ بتائیں کافروں کا خزانہ کیوں دھنسواتے؟ اس کو زمین میں دھنسوا کر آخر ضائع کیوں کر رہے ہیں؟ اس لیے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کو مال نہیں چاہیے، قرآن و حدیث میں مال کی جہاں فضیلت آئی ہے، وہاں محبوب کے مال کی فضیلت ہے۔

ایک مثال:

محبوب کا مال ہی محبوب ہوتا ہے، اس کی مثال آپ یوں سمجھیں کہ ماں باپ اپنے بچوں کی خوشی کے لیے بیٹ بلاّ (Bat Balla) اور اس کی گڑیا وغیرہ ہر وہ چیز جس سے اس کا بچہ کھیلتا ہے اور اس کو پیار کرتا ہے، اپنی گاڑی اور رکشہ پر لا دیتے ہیں، تو کیا ان کو وہ چیزیں اچھی لگتی ہیں؟ ان کو تو وہ بے کار لگتی ہیں؛ لیکن چونکہ ان کے بچوں کی ان چیزوں سے دل بستگی ہوتی ہے، اس لیے والدین بھی ان چیزوں کو پیار دیتے ہیں، اب چوں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے نیک اور صالح بندوں سے محبت کرتے ہیں اور یہ مال وزر ان کے محبوب بندوں کی حاجت اور ضرورت کو دور کرنے کا ایک ذریعہ اور سبب ہے اس لیے جو چیزیں ان کے محبوب بندوں کی حاجت اور ضرورت کو دور کرنے کی ضرورت بنیں، اللہ تبارک وتعالیٰ ان سے بھی پیار کرتے ہیں۔

مال فی نفسہ مذموم ہے:

ورنہ اصل یہ ہے کہ مال تو فی نفسہ مذموم ہے، اسی لیے محمد رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم نے حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا: ’’نِعْمَ الْمَالُ الصَّالِحُ لِلرَّجل الصَّالِحِ. یعنی اگر رجل صالح بنو گے، متقی پرہیزگار بنو گے تب تمہارا یہ مال و دولت حکومت وسلطنت اور عزت وشہرت ’’نِعَم‘‘ بنے گا، ورنہ اگر رجل صالح نہیں بنو گے، اہل تقویٰ نہیں بنو گے اور تمہارے دل میں اس مال و دولت کی محبت بیٹھ جائے گی، تو پھر یہی مال تمہارے لیے آخرت میں وبال جان بن جائے گا اور یہی مال جنت میں لے جانے کے بجائے جہنم میں لے جانے کا ذریعہ اور سبب بن جائے گا۔

مال کے فی نفسہ مذموم ہونے کی دلیل:

میرے دوستو! اگر مال فی نفسہ محبوب ہوتا، مذموم نہ ہوتا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے یہ نہیں فرماتے، کہ اے عمر! تم ابھی اسی سوچ میں پڑے ہو؛ جب کہ قیصر و کسریٰ کی حکومتوں کو دیکھ کر حضرت عمر نے یہ کہا تھا: کہ یارسول اللہ یہ کفار تو دشمنان خدا ہیں پھر بھی اتنا عیش کر رہے ہیں، نیز اگر مال کے محبوب ہونے کی بات ہوتی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم حدیث شریف میں کیوں ارشاد فرماتے؟ ’’اِطَّلَعْتُ فِی الْجَنَّةِ فَرَأَیْتُ اَکْثَرَ اَهْلِهَا الْمَسَاکِیْنَ‘‘. یعنی ’’جب میں نے جنت میں جھانکا تو مجھے اس میں فقراء اور مساکین زیادہ ملے‘‘ تو آپ بتائیے کہ مال کی فضیلت سنانے والا یہ کیوں کہتا ہے کہ جتنے حاجی اور نیک ہوتے ہیں سب پیسہ والے ہوتے ہیں؛ جب کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ میں نے جنت میں جھانکا تو یہ فقراء ہی زیادہ دکھائی پڑے۔ اِطَّلَعْتُ فِی الْجَنَّةِ فَرَأَیْتُ اَکْثَرَ اَهْلِهَا الْمَسَاکِیْنَ وَاطَّلَعْتُ فِی النَّارِ فَرَأَیْتُ اَکْثَرَ اَهْلِهَا النِّسَاءَ قَالُوْا لِمَ یَا

رَسُولَ اللهِ قَالَ بِكُفْرِهِنَّ قِيلَ أَيَكْفُرْنَ بِاللهِ قَالَ لا وَيَكْفُرْنَ الْعَشِيْرَ وَيَكْفُرْنَ الْإِحْسَانَ . (بخاری شریف:۳۲۴۱)

جنت میں جانے کے لیے مال کی ضرورت نہیں:

انسان یہ مال کما کر بھی پچاس سال سے زیادہ فائدہ نہیں اٹھا سکتا ہے؛ لیکن اس پچاس سال کے بھگتان میں پانچ سو سال پیچھے جنت میں جائے گا؛ آپ بتایئے کہ یہ کون سی عقلمندی ہے کہ جس کے لیے ہر دم وظیفہ پڑھنے لکھنے کے لیے تیار ہو اور وظیفہ پڑھ کر بھی پانچ سو سال پیچھے جنت میں جا رہے ہو، دنیادار مریدین حضرات سب سے زیادہ وہی وظیفہ پڑھنے کے لیے تیار رہتے ہیں جس سے ان کو کچھ فائدہ ہو جائے، مال و دولت بڑھ جائے، فیکٹری چل جائے اور پریشانی دور ہو جائے؛ آج ہماری تمام پریشانی کا حاصل یہی ہے کہ ہمارے پاس پیسہ نہیں ہے، ہمارے پاس پیسہ کا کم ہونا ہی سب سے بڑی پریشانی کی بات ہے، اور وہ لوگ یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے تو خود ہی ارشاد فرما یا دیا: اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ" لہٰذا پاسپورٹ بناؤ اور سعودیہ نکل پڑو اور وہاں جا کر فیکٹری بناؤ اور پیسہ کماؤ اور پھر خوب صدقہ خیرات کرو۔

میرے دوستو! یہ کوئی مقصد نہیں ہے کہ آپ پیسہ کما کر مسجد اور مدرسہ میں لگائیں، بلکہ آپ کا مقصد تو وہی ہونا چاہیے جو اللہ رب العزت چاہتے ہیں اور اللہ رب العزت چاہتے ہیں کہ تم نیک بن جاؤ! صالح بن جاؤ! اگر تم متقی بن جاؤ گے تو میرے پاس آنے کے لیے اور میری جنت میں آنے کے لیے مال و دولت کی ضرورت نہیں۔

صحیح مسلمان بننا اولین فریضہ ہے:

سب سے پہلے آپ کو صحیح مسلمان بننے کی ضرورت ہے، اگر آپ مسلمان بنیں گے تو اللہ تبارک وتعالیٰ کے دوست بھی بنیں گے، اس کے بعد آپ کے مال میں اللہ رب العزت کی محبت بھی آئے گی، اور یہ ارادہ ہی مت کرو کہ مال ہوتا تو صدقہ کرتے، کیوں کہ آپ کو جو ہاتھ پیر ملے ہوئے ہیں پہلے آپ اسی سے نیکی کمالو، اور جب اللہ تبارک وتعالیٰ دیکھیں گے کہ تم اتنے مخلص ہو، سچے پکے ہو تب اللہ تبارک وتعالیٰ مال کے ذریعہ بھی نیکی کمانے کا موقع عنایت فرمائیں گے، ابھی آپ جوان ہیں اور آپ کی زبانیں، آپ کی آنکھیں، آپ کے ہاتھ و پیر سب صحیح سالم اور تندرست ہیں اور کہہ رہے ہیں کہ مال ملتا تو نیکی کماتے، پہلے ان اعضاء کے ذریعہ نیکی کماؤ پھر مال سے نیکی کمانے کے بارے میں سوچنا۔

اس دنیا میں ترقی کس کو ملتی ہے:

میرے دوستو! اس دنیا کی فیکٹریوں، کمپنیوں یا دینی اداروں میں کس انسان کو ترقی ملتی ہے؟ اسی انسان کو ترقی ملتی ہے جو اپنی متعین کردہ ڈیوٹی کو پورا کرتا ہے! اس کے متعلق یہ بات کہی جاتی ہے کہ صاحب یہ آدمی کام کا ہے، اس کو ترقی دے دی جائے اور اگر وہ انسان اپنی متعین کردہ ڈیوٹی کو پورا نہیں کرتا، بلکہ گھپلہ بازی کرتا ہے، وقت کی چوری کرتا ہے، کام میں چوری کرتا ہے، تو یہ کہا جاتا ہے کہ اس کا راستہ یہیں سے پیک کردو؛ اس لیے آج آپ سمجھ لیں کہ آپ اپنے اور اپنے اہل وعیال کے کتنے خیر خواہ

ہیں، اسی اعتبار سے آپ مخلوق کے بھی خیر خواہ ہوں گے اور دنیا کے بھی خیر خواہ ہوں گے، اس لیے ہم نے ''لِلنَّاسِ '' کی شرح کردی کہ ''نفع ناس'' کیا ہے، لہٰذا ''نفع ناس '' کو ناس (برباد) مت کرنا۔

اشاعت دین کے ساتھ اخلاص ضروری ہے:

اللہ رب العزت خیر امت کی وجہ بیان کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں: ''تَأمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ تَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتؤْمِنُوْنَ بِاللهِ'' یعنی تمہارا جو کام ہے اچھائیوں کا حکم کرتے رہنا اور برائیوں سے روکتے رہنا، تو یہ اللہ کے لیے ہونا چاہیے، کہیں ایسا نہ ہو کہ جلسہ میں تقریر کرنے گئے اور تقریر کردیئے تو پیسہ کا انتظار رہے، اگر پیسے کا انتظار کر رہے ہو تو وہ تقریر نہیں ہے، وہ تو فضول اور بے کار ہے؛ یہ تو ایک مشغلہ ہے، کوئی محنت مزدوری کر کے دنیا کما رہا ہے اور کوئی کرسی پر بیٹھ کر دنیا کما رہا ہے، ان دونوں میں کوئی بھی فرق نہیں، اسی لیے تو فرمایا ہے ''تُؤمِنُوْنَ بِاللهِ '' اس میں تو اجر لینے کے لیے اللہ تبارک وتعالیٰ پر امید لگائے رکھے؛ کیوں کہ جس کا کام کیا جاتا ہے مزدوری اسی سے لی جاتی ہے، دوسروں سے نہیں، جیسے کسی مدرس کو مدرسہ میں پڑھانے کے لیے رکھا گیا اور انتظامیہ اس کو تنخواہ دے رہی ہو، اب اگر وہ مدرس صاحب لڑکوں سے پیسہ مانگنے لگیں، تو اب آپ ہی بتایئے اس مدرس نے غلط کیا کہ نہیں کیا؟ ان کی نوکری جائے گی یا نہیں جائے گی؟ وہ معطل ہوں گے یا نہیں؟ بھائی تم جس کی مزدوری کر رہے ہو تو اسی سے اجرت مانگو! یہاں اور وہاں کیوں ہاتھ پھیلا رہے ہو؟

حضرت شاہ ہردوئی علیہ الرحمہ کا ایک اصول:

محی السنہ شیخ المشائخ عارف باللہ حضرت اقدس مولانا شاہ ابرار الحق صاحب ہردوئی علیہ الرحمہ کے یہاں ایک پرچی میں لکھ کر رکھا ہوا رہتا تھا کہ ’’اگر کسی مدرس نے لڑکے کی چائے بھی پی لی تو بس اخراج‘‘ فرمایا کرتے تھے کہ تم رشوت لے رہے ہو، جیسے ایک داروغہ تنخواہ بھی لیتا ہے اور لفافہ لیے بغیر کوئی کام نہیں کرتا، تو وہ رشوت لے رہا ہے، اسی طرح پڑھا رہے ہو، مدرسی کر رہے ہو اور پوری تنخواہ بھی لیتے ہو اور طلبا سے بھی فائدہ اٹھاتے ہو، اس لیے اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا کہ اگر تم امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتے ہو تو اس کا اجر مجھ سے لینا: ’’اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلٰی رَبِّ الْعَالَمِیْنَ‘‘ دوستو! یہ کتنا بڑا جملہ ہے! اگر اس جملہ میں غور کرو تو معلوم ہوگا، کہ اللہ رب العزت نے سارے اندازے کا قلع قمع کر دیا، اللہ تبارک وتعالیٰ ہم سب کو حدود شرعیہ پر قائم رہنے کی توفیق عطا فرمائے۔

حدود شرعیہ پر قائم رہنے کی فکر کریں:

آج حدود شرعیہ پر قائم نہ رہنے کی وجہ سے سارے عمل کا ثمرہ ضائع ہو رہا ہے، آپ آدھی نماز پڑھیں، یعنی فرض پوری کر کے جو نفلیں پڑھتے ہیں اس کو آدھی کر دیں اور سب گناہوں سے بچ جائیں، میں گارنٹی کے ساتھ کہتا ہوں کہ آپ کی ولایت مستحکم ہو جائے گی، پھر آپ دیکھیں گے کہ اسی سو روپیہ میں برکت ہوگی، آپ دیکھیں گے کہ اسی چھوٹے سے گھر میں انوارات برسیں گے، آپ کا چھوٹا سا گھر ہے اسی میں سکینہ نازل ہوگا؛ اگر آپ کے پاس کروڑ روپیہ ہے؛ لیکن حدود شرعیہ کی رعایت کرنا اور اس کی

پاسداری کرنا آپ نے نہیں سیکھا تو وہی ایک کروڑ روپیہ آپ کو جہنم میں لے جائے گا، آج ہم اپنے اعمال میں حدود شرعیہ کو باقی رکھنے کی فکر نہیں کرتے، اعمال تو کرتے ہیں، لیکن اس کو بچانے کی فکر نہیں ؛ اس کو آپ یوں سمجھیں کہ کسی شخص نے بہت شوق سے گاڑی خریدی، لیکن صبح وشام اس کو لڑا رہا ہے تو ایک نہ ایک دن وہ مرجائے گا؛ بس گناہوں کی مثال گاڑی لڑانے کی ہے کہ بہت شوق سے عبادت کیا، لیکن ریاکاری کے ساتھ، تو سب بے کار ہے۔

تریاق سنت اور گناہ زہر ہے:

ہمارے حضرت محی السنہ شیخ المشائخ عارف باللہ حضرت اقدس مولانا شاہ ابرار الحق ہردوئی علیہ الرحمہ فرمایا کرتے تھے کہ تریاق سنت ہے اور گناہ زہر ہے، تو امت محمدیہ بجائے تریاق کھانے کے زہر کھا رہی ہے اور تریاق سے دور ہو رہی ہے، حضرت نے فرمایا کہ بتاؤ! امت زندہ رہنے کی تدبیر کررہی ہے یا مرنے کی تدبیر کررہی ہے؟ یہ تو اپنے مرنے کا انتظام کررہی ہے، خودکشی کررہی ہے، یہ تو اللہ کا شکر ہے کہ زہر اثر نہیں کررہا ہے، ورنہ حقیقت یہ ہے کہ ہم نے تو اپنے کو مارنے کے سارے اسباب اختیار کرلیا ہے۔

بھائی یہ کوئی تقریر کا موقع نہیں ہے، یہ مذاکرات کی مجلس ہے، آپ حضرات سے درخواست ہے کہ اپنے اوپر رحم کھائیں اور گناہ کرنا چھوڑ دیں، اللہ رب العزت سے توبہ واستغفار کریں، راتوں میں اٹھ کر اللہ کے سامنے روئیں گڑگڑائیں وہ اللہ تو غفور الرحیم ہیں، ہمارے سارے گناہوں کو معاف کرنے کے لیے تیار ہیں، بس تم

توبہ کرنے کے لیے صرف ایک بار تو ہاتھ اٹھاؤ! معافی نہیں ہوگی تو کہنا؛ یہ امت کہاں جارہی ہے؟ یہ تو یہود ونصاریٰ جو ارذل قوم ہیں، اس کی غلامی اپنا رہی ہے، اس کا کلچر اپنا رہی ہے، مسلمانوں کا پورا معاشرہ یہودیت اور نصرانیت میں تبدیل ہو چکا ہے، ذرا سا بھی ہوش سنبھالو اور مذہب اسلام کا نفع اٹھاؤ؛ اپنے عقائد کو درست کرو، اعمال صالحہ کی فکر کرو اور اخلاق حمیدہ سے مزین ہوکر اسلام کی سلامتی میں زندگی گذارنا شروع کردو۔

کثرت عمل مطلوب نہیں بلکہ حسن عمل مطلوب ہے:

میرے دوستو! زیادہ عمل کرنے کی ضرورت نہیں؛ کیوں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ قرآن کریم میں ارشاد فرماتے ہیں: ''لِيَبْلُوَكُمْ أَيُّكُمْ أَحْسَنُ عَمَلاً. (الملک:۲) یعنی اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں کہ بس تم ہمارے پاس اچھے عمل لے کر آؤ؛ لیکن تم چاہتے ہو کہ زیادہ عمل لے کر جاؤ، زیادہ عمل لے جا کر کیا کروگے کیا جنت سے بھی پار جانا ہے؟

کسی عالم نے لکھا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ''اَكْثَرُ عَمَلاً'' نہیں فرمایا، بلکہ ''اَحْسَنُ عَمَلاً'' فرمایا، کیوں کہ اللہ کثیر عمل کو پسند نہیں فرماتے، بلکہ وہ تو اچھے عمل کو پسند فرماتے ہیں، خلیفہ اول حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کثیر العمل نہیں تھے، حضرت ابو بکرؓ کثرت صلوۃ، کثرت صوم، کثرت ذکر کی وجہ سے ممتاز نہیں تھے، ان کی ترقی کا راز یہ اعمال نہیں تھے، بلکہ ان کی ترقی کا راز احسان عمل تھا، چنانچہ لوگوں نے لکھا ہے کہ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ جب نماز پڑھتے تھے تو لوگ تالیاں بجاتے رہ جاتے اور ان کو التفات تک نہیں ہوتا تھا۔ چنانچہ ایک مرتبہ بنی عمرو میں لڑائی ہوگئی، تو آپ صلی

اللہ علیہ وسلم وہاں لوگوں کو سمجھانے کے لیے چلے گئے، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب واپس آرہے تھے تو لوگ تالیاں بجارہے تھے اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اپنی نماز میں اتنا زیادہ مستغرق تھے کہ ان کو پتہ ہی نہیں چلا، پھر جب زیادہ شور ہونے لگا تو معلوم ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم آرہے ہیں، اس لیے آپ اپنی نماز زیادہ بڑھانے کے چکر میں مت رہیے! کیوں کہ آپ مغالطہ میں پڑ جائیں گے کہ ہم تو بزرگ ہو گئے، اس لیے زیادہ اعمال کرنے کے چکر میں مت رہیں بلکہ احسان عمل کی فکر کریں۔

اپنی اصلاح کی فکر مقدم کریں:

میرے دوستو! آپ حضرات سب سے پہلے اللہ تبارک وتعالیٰ سے اپنی اصلاح کی فکر مانگیے! اس لیے کہ اگر کسی کو اپنا یا اپنے بچوں کا کرتا پائجامہ بنوانے کی فکر ہوتی ہے، تو بن جاتا ہے، اگر کسی کو گھر بنانے کی فکر ہوتی ہے تو بن جاتا ہے، گاڑی خریدنے کی فکر ہوتی ہے تو گاڑی بھی خرید لی جاتی ہے، بہرحال جس انسان کو جس چیز کی فکر ہوتی ہے تو وہ کبھی نہ کبھی عمل سے ٹکرا جاتی ہے اور اس کا وجود ہو جاتا ہے؛ اس لیے اگر آپ بھی اپنی اصلاح کی فکر کریں گے اور ساتھ ساتھ اس کے اسباب بھی اختیار کرتے چلے جائیں گے، تو کبھی نہ کبھی آپ کی بھی اصلاح ہو جائے گی؛ لیکن مسلمانوں کو ہر چیز کی فکر تو ہوتی ہے، اگر فکر نہیں ہے تو اپنے دین کی نہیں، اور جب اپنے دین کی فکر نہیں ہے، تو اعمال دین بھی کم ہوتے چلے جارہے ہیں، اور جو عمل ہے بھی وہ بے گاری میں نکل رہا ہے، اگر بے گاری میں نکلتا جائے گا تو پھر پوری زندگی ضائع ہو جائے گی، اللہ تعالیٰ ہم سب کو متقی اور نیک بننے کا جذبہ عطا فرمائے، اور اپنی اصلاح کی فکر عطا فرمائے۔ آمین

اسلام کی سلامتی عالم گیر ہے:

اگر آپ نیک ہیں تو پورا جہاں نیک ہے، ایک مثل ہے کہ ''اپنے مرے قیامت اور اپنے کھائے نعمت''یعنی اگر آپ کھا لیے تو ساری نعمت وصول ہوگئی، ایسا ہی اگر آپ نیک ہوگئے تو ساری دنیا نیک ہوجائے گی، اس کی وجہ یہ ہے کہ ایک شخص نیکی کرنے کی آواز لگا رہا ہے اور ایک شخص نیک بن رہا ہے، تو نیکی کی آواز لگانے والا ایک بھی نیک نہیں پیدا کرسکتا، لیکن نیک بن جانے والا ہزاروں کو نیک بنا دے گا، تو لوگوں کو نیک بنانے کا آپ کا جو مقصد ہے اور واقعتاً چاہتے ہیں کہ پوری دنیا میں نیکی پھیل جائے، اسی لیے تبلیغی جماعت میں وقت بھی لگاتے ہیں، تو لوگوں کے درمیان ان سے نیکی کروانے کے لیے جو تقریریں کرتے ہیں، اس سے بہتر یہ ہے کہ اپنے آپ کو نیک وصالح اور متقی بنائیں! کیوں کہ جب آپ متقی رہیں گے تو نیکیاں خود بہ خود پھیلتی چلی جائیں گی، خلیفہ اول حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے دین کو سب سے زیادہ فائدہ پہنچا، اس کی وجہ علماء نے لکھی ہے کہ حضرت ابوبکرؓ حضرات صحابہ میں سب سے بڑے متقی تھے اور جب متقی تھے تو وہی پوری امت کے لیے ''اَرْحَمُ اُمَّتِیْ ''بھی تھے، ان کا تقویٰ امت کے لیے باعث رحمت تھا، اور دوسرے نمبر کے سب سے بڑے تابعی کے متعلق لکھا ہے کہ وہ اتنے گم صم تھے اور اس قدر گم نام تھے کہ ان کے شہر والے نہیں جانتے تھے کہ یہ کہاں کے ہیں؛ لیکن ہم سوچتے ہیں کہ صاحب میرا تقویٰ اخبار میں آجائے، یہاں آجائے وہاں آجائے اور ہم سمجھتے ہیں کہ ہماری جتنی شہرت ہوگی اتنا ہی ہمارا قد بڑھتا چلا جائے گا، دوستو! یہ سوچ اپنے ذہنوں سے نکالو اور اپنے آپ کو متقی وصالح

بنانے کی فکر کرو؛ کیوں کہ اگر تم نیک رہو گے تو پوری دنیا میں نیکی پھیلتی چلی جائے گی۔

نیک وصالح بننا ایک اختیاری عمل ہے:

بھائی! نیک وصالح بننا یہ کوئی غیر اختیاری عمل نہیں ہے، بلکہ یہ تو ایک اختیاری عمل ہے، آپ تھوڑی سی محنت مشقت کریں، نیک وصالح بن جائیں گے؛ لیکن اس اختیاری عمل پہ ہماری کتنی محنت ہے اور غیر اختیاری عمل پہ کتنی محنت ہے؟ غیر اختیاری عمل ہے تو کئی چلّے لگوا لیجیے بالکل تیار؛ لیکن اختیاری عمل پر ایک گھنٹہ بھی دینے کے لیے تیار نہیں، دوستو! ایک بات یاد رکھیں کہ جس دن ہم متقی بن جائیں گے اسی دن اللہ رب العزت کے یہاں سے ہمارے لیے سارے فیصلے بدل کراتریں گے، اگر آپ کو ہماری اس بات پر یقین نہیں ہے تو قرآن کریم کی آیت ''وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَهٗ مِنْ اَمْرِهٖ يُسْرًا''. (الطلاق:۴) اس کا ترجمہ اور اس کی تشریح دیکھ لیجئے اور اگر آپ نیک و صالح نہیں بنے تو ایک ایک گتھی سلجھاتے جائیں گے تو دوسری اٹکتی جائے گی اور پھر اسی سلجھانے اور اٹکنے میں زندگی گذر جائے گی۔

اللہ تعالیٰ ہمیں خود کو متقی بنانے کا جذبہ عطا فرمائے، جہاں آپ نے فیصلہ کیا اسی دن سے کام شروع ہوجائے گا، جس دن آپ نے یہ فیصلہ کرلیا کہ اب کچھ بھی ہوجائے اللہ رب العزت کو ناراض نہیں کریں گے، اسی دن اللہ تبارک وتعالیٰ یہ فرمائیں گے کہ کچھ بھی ہوجائے ہم اپنے اس بندے کو ناراض نہیں ہونے دیں گے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو نیک وصالح بننے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ

وحی اور کمالات وحی

الْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ أَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّاٰتِ أَعْمَالِنَا، مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ. وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَاهَادِيَ لَهٗ. وَنَشْهَدُ أَنْ لَّا اِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَاشَرِيْكَ لَهٗ وَنَشْهَدُ أَنَّ سَيِّدَنَا وَسَنَدَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ. وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهٖ وَصَحْبِهٖ أَجْمَعِيْنَ.

أَمَّا بَعْدُ! فَأَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ. بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ. يٰاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَا اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ. (المائدة:٦٧)

صدق الله مولانا العظيم.

”وحی الٰہی“ نصاب تربیت ہے:

میرے محترم بزرگو اور دوستو! اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس آیت مبارکہ میں اپنے محبوب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب فرما کر ارشاد فرمایا: ”بَلِّغْ مَا اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ“ آپ کے رب کی طرف سے آسمان سے جو کچھ اتارا گیا اور نازل کیا گیا

ہے اس کو لوگوں تک پہنچایئے، اس لیے کہ یہ آپ کے رب کی طرف سے نازل کیا گیا ہے اور رب انسانوں کی تربیت جیسے ظاہر کی فرماتے ہیں ویسے ہی باطن کی بھی فرماتے ہیں، جیسے دنیا کے سب خورد ونوش کا نظام، ہواؤں اور فضاؤں کا یہ سارا پھیلا ہوا سلسلۂ اجسام انسانی کی پرورش کے لیے ہے، ایسے ہی انسانی روح کو توانا اور قوی کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ آسمان سے کچھ چیزیں اتارتے ہیں، اس لیے نبی کی سب سے بڑی ذمہ داری اور نبی کا سب سے بڑا فریضہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو آسمانی دوائیاں ہیں اور آسمان سے اہل زمین کی تربیت کے لیے جو دسترخوان اتارا گیا ہے اس کا ہر ہر حصہ ہر انسان کو پہونچائے؛ اس لیے کہ اگر اس میں کچھ کمی یا زیادتی ہوگئی تو انسانی روح ناقص رہ جائے گی، انسان کی تربیت ناتمام ہوجائے گی، اس لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کے لیے یہ حکم جاری کیا کہ ساری چیزیں بعینہٖ پہنچائی جائیں، تاکہ انسانوں کی روحیں تربیت یافتہ ہوجائے اور بآسانی تربیت پاسکے۔

چنانچہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حکم الٰہی پر عمل کرتے ہوئے اس تبلیغ رسالت پر گواہی بھی حاصل کیا، اس لیے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ان سارے نبیوں کے احوال تھے جنہوں نے برسہابرس تک اللہ تعالیٰ کے احکام پہونچانے پر محنت کی، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو وحی کے ذریعہ معلوم ہوا کہ وہ انبیاء جب قیامت کے دن اٹھیں گے تو ان کی قوم انکار کردے گی اور انکار ہی نہیں کرے گی بلکہ انکار کرکے یہ بھی کہے گی اے اللہ اور اے ہمارے رب ”مَاجَاءَ نَا مِنۡ بَشِيۡرٍ وَلَا نَذِيۡرٍ“ (المائدۃ:۱۹)

”ہمارے پاس کوئی نذیر نہیں آیا، کوئی بشیر نہیں آیا اور کوئی نبی نہیں آیا“، خصوصاً حضرت نوح علیہ الصلوۃ والسلام کے بارے میں احادیث مبارکہ میں تذکرہ آتا ہے کہ ساڑھے

نو سال مسلسل لوگوں تک احکام الٰہی پہونچانے میں جدو جہد اور کوشش کرتے رہے، لیکن ساڑھے نوسو سال تک اللہ کے احکام پہونچانے والا نبی، گواہی میں جب اپنی امت کو ڈھونڈے گا اور اللہ رب العالمین کے سامنے گواہی دینے کے لیے تلاش کرے گا تو کوئی بھی گواہی دینے والا نہیں ملے گا، یہ سب لوگ یہ کہہ کر انکار کردیں گے کہ صاحب یہ تو آئے ہی نہیں تھے، ہم نے ان کو دیکھا ہی نہیں تھا اور یہ تو ہمارے یہاں سے گزرے ہی نہیں تھے۔

چنانچہ ایسے منظر کو سامنے رکھتے ہوئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا ہی میں پوچھ لیا اور فرمایا: ''اَلاَ هَلْ بَلَّغْتُ اَلاَ هَلْ بَلَّغْتُ

اَلاَ هَلْ بَلَّغْتُ ثُمَّ قَالَ لیبتغ الشاهد الغائب (بخاری شریف، حدیث نمبر:۲۵۶) یعنی اے لوگو سنو! اللہ تعالیٰ کی طرف سے مجھے جو کچھ ملا، اس کو میں نے تم تک پہونچادیا؟ تو سب لوگوں نے بیک زبان کہا، ہاں! آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے پہنچادیا۔ معلوم ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہاں سے رجسٹرڈ گواہ لے کر گئے، تاکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بھی انکار کا مسئلہ پیش نہ آئے، اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت بھی اللہ رب العالمین کے سامنے گواہی دینے سے انکار نہ کرجائے، اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا رجسٹرڈ گواہ بنانے کا فیصلہ کیا۔

افضل البشر بعد الانبیاء ہونے کا راز:

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: '''' جو کچھ اللہ تعالیٰ نے میرے اوپر نازل کیا ان تمام چیزوں کو میں نے

ابوبکر کے میں ڈال دیا‘‘۔

اسی لیے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا جو مقام ہوا اور جو انجام ہوا وہ بہت ہی نرالا تھا۔ نیز اسی لیے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اس قدر کامل اور مکمل تیار ہوئے تھے کہ انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کو چھوڑ کر سارے نبیوں کے سارے صحابہ نیز حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سارے صحابہ کو اور قیامت تک کے آنے والے تمام مسلمانوں کو ایک طرف اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے اعمال کو ایک طرف، جب وزن کیا گیا تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے اعمال بھاری پڑ گئے۔

اب سوال یہ ہے کہ انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کے اعمال کو چھوڑ کر، جب سے دنیا قائم ہوئی ہے اور جب تک دنیا قائم رہے گی، تب تک کے آنے والے مسلمانوں کے اعمال سے ابوبکر صدیق کے اعمال زیادہ وزن دار ہیں، اس کی وجہ کیا ہے اور اس کی کیا خصوصیت ہے؟ تو اس کی خصوصیت یہی ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع میں اور نقش قدم میں بالکل ہو بہ ہو، جس کو فوٹو کاپی کہتے ہیں، ابوبکر وہی تھے گویا نبی تو نہیں تھے لیکن نبی جیسے تھے؛ جیسا کہ کسی نے کہا ہے: ’’صدیق ہم استاذ نبی باشد‘‘ یعنی صدیق جو ہوتا ہے وہ نبی کا ہم استاذ ہوتا ہے۔

چنانچہ حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا شاہ اشرف علی صاحب تھانوی علیہ الرحمہ نے جب یہ عبارت پڑھی تو فقیہ العصر حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی علیہ الرحمہ کی طرف مراجعت فرمائی اور فرمایا کہ حضرت اس کا کیا مطلب ہے؟ تو حضرت والا علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ ایک چشمہ فیض سے دو آدمی کی تربیت ہوئی ہو، چنانچہ اسی چشمہ فیض سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تربیت ہوئی ہے اور اسی چشمہ فیض سے

صدیق اکبر کی بھی تربیت ہوئی ہے، اسی لیے صدیق کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ ''صدیق ہم استاذ نبی باشد''۔ جیسے کبھی دادا اور پوتا دونوں کا ایک ہی استاد ہوتا ہے، لیکن پوتا کو پڑھانے والا استاد ''ا ب ت ث'' پڑھاتا ہے اور دادا کو بخاری شریف اور مسلم شریف پڑھاتا ہے گویا کہ وہ استاد دونوں کو الگ الگ مال دیتا ہے، جب کہ یہاں ایسا نہیں ہے جو چیز محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دی گئی، وہی چیز حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو دی گئی ہے، اسی لیے ابوبکر صدیق ہم استاد نبی ہوئے؛ اور جب ایسی بات ہے تو پھر حضرت ابوبکر کس قدر باطنی کمالات کے حامل انسان ہوں گے اس کا اندازہ لگانا مشکل ہے، مشکل ہی نہیں بلکہ ناممکن ہے۔

روح ہی اصل انسان ہے:

اللہ تبارک وتعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ''يَا أَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَا أُنْزِلَ اِلَيْکَ مِنْ رَّبِّکَ ''یعنی اے میرے رسول یہ آپ کے رب کا تحفہ ہے جو آپ کی روح کے لیے نصاب تربیت ہے، آپ کی روح کی توانائی، ترقی اور پاکیزگی کا ایک اہم ذریعہ ہے او رنصاب تربیت ہے، اور یاد رکھئے اس نصاب تربیت میں جتنی کمی ہوگی اتنا ہی آپ کی روح ناقص، ناتمام اور کٹی پھٹی رہے گی، جیسے ہاتھ کٹا ہوا، پیر کٹا ہوا اور کان کٹا ہوا انسان اچھا نہیں لگتا، ایسے ہی اس کی روح اچھی نہیں رہے گی۔

معلوم یہ ہوا کہ انسان میں اصل اس کی روح ہے، اس کے اعضاء و جوارح اصل نہیں، یہی وجہ ہے کہ کوئی انسان مرجاتا ہے، اس کے ہاتھ پیر اور سارے اعضاء وجوارح صحیح سالم ہوتے ہیں، پھر بھی دنیا کہتی ہے کہ چلو فلاں کی مٹی میں، کیوں؟ اس لیے کہ اب وہ

انسان نہیں رہا بلکہ مٹی ہوگیا، بہر حال اس انسان میں اصل روح ہے، اب اس روح کی جیسی تربیت ہوگی ویسی ہی آپ کی روح کو سفیدی، خوبصورتی، پاکیزگی اور توانائی بھی نصیب ہوتی چلی جائے گی۔ اور ایسے ہی اثرات آپ کے اعضاء و جوارح پر بھی ظاہر ہوں گے۔

شریعت انسانوں کے روح کی پاکیزگی کا ذریعہ ہے:

چنانچہ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں ارشاد فرماتے ہیں: ''وَأَمَّا الَّذِيْنَ ابْيَضَّتْ وُجُوْهُهُمْ فِيْ رَحْمَةِ اللّٰهِ هُمْ فِيْهَا خَالِدُوْنَ . (آل عمران:۱۰۷)

یعنی قیامت کے دن کچھ لوگ سفید چہرے والے ہوں گے جو اللہ تعالیٰ کی رحمت میں ہوں گے اور اس رحمت میں ہمیشہ ہمیش رہیں گے۔ ''فَاَمَّا الَّذِيْنَ اسْوَدَّتْ وُجُوْهُهُمْ اَكَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ فَذُوْقُوْا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ'' (آل عمران: ۱۰۶) اور کچھ سیاہ چہرے والے ہوں گے ان کے چہرے سیاہ کیوں ہوں گے اس لیے کہ انہوں نے ایمان کے بعد کفر اختیار کر لیا تھا۔

ظاہر ہے یہ فرق حبشہ میں پیدا ہونے کی وجہ سے اور سعودیہ عربیہ میں پیدا ہونے کی وجہ سے نہیں ہوگا بلکہ اعمال میں فرق ہونے کی وجہ سے ہوگا؛ کیوں کہ اپنے اختیار سے کیے ہوئے اعمال روح پر اثر انداز ہوتے ہیں، لہٰذا اس کے اپنے کیے ہوئے اعمال کی وجہ سے اس کی روح سفید ہوگی، اور سیاہ ہوگی۔ اور اسی اختیاری عمل ہی کی وجہ سے انسان جنتی اور جہنمی بنے گا، لہٰذا اس سے یہ بات معلوم ہوئی کہ یہ اختیاری عمل جو اللہ تعالیٰ کا اور شریعت کا دیا ہوا تحفہ ہے وہ ہماری روح کی پاکیزگی کا ذریعہ اور سامان ہے۔

ظاہر، باطن کا مخبر ہوتا ہے:

میں یہ بات کہا کرتا ہوں کہ جو ہمارے اکابرین اور بزرگان دین تھے، وہ ہمارے ہی جیسے انسان تھے، ان کے ہاتھ پیر اور سارے اعضا و جوارح ہمارے ہی جیسے تھے، لیکن ان کے پاس بیٹھنے والا ایک کافر بھی یہ کہنے پر مجبور ہوتا تھا کہ آپ کے پاس بیٹھنے سے بڑا سکون حاصل ہوتا ہے اور بہت شانتی کا احساس ہوتا ہے؛ ایسا کیوں، اس کا راز کیا ہے؟ اس کا راز یہ ہے کہ ان کے دلوں میں مخلوق خدا کی خیر خواہی کا جذبہ تھا، اس لیے اس خیر خواہانہ جذبہ سے ایک سکون پھوٹتا تھا اور رحمت کی آبشار پھوٹتی تھی۔

لیکن آج انسانوں کے دماغ میں بدخواہی ہی بدخواہی ہے، صبح سے شام تک اسی نیت سے بیٹھے رہتے ہیں اور ایسے لوگوں کو دیکھ کر بھی ڈر لگتا ہے، جیسے ایک انسان کسی کو لوٹنے کے لیے ڈاکو بن کر بیٹھا ہو تو اس کو دیکھ کر آدمی تھر تھر کانپنے لگتا ہے، ایسے ہی آج کا یہ انسان ہر جگہ ڈاکو بنا بیٹھا ہے۔

ہمارے حضرت محی السنہ شیخ المشائخ عارف باللہ حضرت اقدس مولانا شاہ ابرار الحق صاحب ہردوئی علیہ الرحمہ اس کی مثال یہ دیا کرتے تھے کہ دیکھو ایک ڈاکیہ آتا ہے وہ بھی وردی پہنے ہوئے ہوتا ہے، اور ایک Police man آتا ہے وہ بھی وردی پہنے ہوئے ہوتا ہے، لیکن ان دونوں کی وردی اندر کی ہمدردی کو بتا دیتی ہے کہ یہ لوٹنے آیا ہے اور یہ بانٹنے آیا ہے، ایک دینے آیا ہے اور ایک لینے آیا ہے، تو جس طرح ان دونوں کی وردی ان کی خیر خواہی اور بدخواہی کو بتا رہی ہے، اسی طرح دیگر انسانوں میں بھی کچھ ظاہری آثار اور علامتیں ہوتی ہیں وہی علامتیں بتاتی ہیں کہ یہ شخص اپنے دل اور

دماغ میں دوسروں کی خیرخواہی اور بھلائی کا جذبہ رکھتا ہے یا بدخواہی کا جذبہ رکھتا ہے ۔لہٰذا جولوگ اپنے دلوں میں مخلوق خدا کی خیرخواہی رکھتے ہیں تو ان کے پاس بیٹھنے والا کافر بھی یہ کہنے پر مجبور ہوجاتا ہے کہ آپ کے پاس بیٹھنے سے بڑا سکون معلوم ہوتا ہے۔

دینے والا ہاتھ سردار اور لینے والا ہاتھ فقیر ہوتا ہے:

میرے دوستو! اللہ تعالیٰ نے انسانوں کے دماغ میں، ان کی سوچ میں، ان کی نظروں میں اور ان کے ہاتھ پیر میں دونوں صلاحیت دے رکھی ہے، دینے کی بھی صلاحیت دے رکھی ہے اور لینے کی بھی صلاحیت دے رکھی ہے، انسانوں کے اندر اللہ تعالیٰ نے اخذ کی بھی صلاحیت رکھی ہے اور عطا کی بھی صلاحیت رکھی ہے، لیکن محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں صلاحیتوں کے بارے میں ارشاد فرمایا: ''**اَلْیَدُ الْعُلْیَا خَیْرٌ مِنَ الْیَدِ السُّفْلٰی**'' یعنی اوپر والا ہاتھ نیچے والا ہاتھ کے مقابل میں افضل ہی ہوتا ہے، چنانچہ کچھ ہاتھ والے ایسے ہوتے ہیں، جو پوری زندگی چمر چالا کی کی خصلت میں گزار دیتے ہیں۔اور کچھ ہاتھ والے ایسے ہوتے ہیں جو اپنی پوری زندگی بانٹنے ہی میں گزار دیتے ہیں۔لہٰذا جو ہاتھ بانٹ رہا ہے وہ سردار ہے جو پھیلائے ہوا ہے وہ فقیر ہے ،تو ہاتھ ایک ہی ہے لیکن ایک ہاتھ سردار بنا بیٹھا ہے اور ایک ہاتھ فقیر؛اسی طرح انسان کا جو دماغ ہے وہ بھی ایک ہیں، لیکن ایک انسان اپنے دماغ سے دوسروں کی بھلائی سوچتا ہے اور اسی دماغ کا حامل دوسرا انسان دوسروں کی برائی سوچتا ہے، کسی کی جان، مال، عزت وآبرو کے خلاف پلاننگ کرتا ہے اور اس کی جان کا خطرہ بنتا ہے۔

کوئی انسان رات میں سوتا نہیں، مجاہدہ کر کے جاگتا ہے او راللہ تعالیٰ کی

خوشنودی حاصل کرتا ہے اور کوئی جاگ کر اپنی خوشی کے لیے لوگوں کی جان، مال، عزت وآبرو کی سودا کرتا ہے، دماغ اس انسان کے پاس بھی ہے لیکن اس کا کچھ دینے کے بجائے لینے کے لیے تیار ہے، اس لیے یہ شخص اپنی اس صفت رذیلہ کی وجہ سے ''شرالناس'' بن جاتا ہے۔ اور شرالناس بلکہ لوگوں کو تکلیف پہونچاتا رہتا ہے۔

لوگوں کو اپنے شر سے بچالینا ہی بھلائی ہے:

جبکہ مومن کی جہاں تعریف کی گئی ہے اور اس کے جو اچھے اخلاق بیان کیے گئے ہیں، ان میں کم سے کم کے بارے میں فرمایا: ''أَنْ تَكُفُّ عَنْ شَرِّ نَفْسِكَ'' یعنی تم اپنے نفس کے شر سے لوگوں کو بچالو یہ بھی تمہارے لیے بھلائی ہے، کیوں کہ اگر سانپ اور بچھو کسی کو نہ کاٹے تو کیا اس کے لیے یہ بھلائی نہیں ہے؟ یقیناً اس کے لیے بھلائی ہے اسی طرح اگر یہ انسان لوگوں کو اپنے شر سے بچالے تو یہ بھی بھلائی ہے۔

چنانچہ بخاری شریف میں لکھا ہے کہ جب جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ''وَالْمُرْسَلَاتِ عُرْفًا فَالْعَاصِفَاتِ عَصْفًا'' (المرسلات:۱-۲) آیتیں نازل ہورہی تھیں اور حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین ان آیات کو دہرا رہے تھے، تو اسی دوران ایک سانپ نکلا، تو حضرات صحابہ کرام اس کو مارنے کے لیے دوڑے لیکن وہ سانپ کسی سوراخ میں گھس گیا۔ اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُوْقِیْتُمْ مِنْ شَرِّهٖ فرمایا یعنی تم لوگ اس کے شر سے بچ گئے اور وہ تمہارے شر سے بچ گیا۔ حضرات صحابہ نے فرمایا کہ یا رسول اللہ وہ کیسے؟ تو آپ ﷺ نے سمجھایا کہ: اگر وہ تم کو کاٹ لیتا تو تم لوگ اس کے شر کو پالیتے اور اگر تم اس کو مار دیتے تو وہ تمہارے شر کو پالیتا'' اس لیے آپ

صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ چلو تم دونوں بچ گئے، لہٰذا اس حدیث سے یہ بات معلوم ہوئی کہ اپنے شر سے کسی کو بچالینا بھی بھلائی ہے۔

لہٰذا آپ کی زبان سے کسی کی دل آزاری نہ ہو، آپ کے ذہن سے کسی کی برائی نہ سوچی جائے، آپ کے دل میں کسی کو حقیر سمجھنے کی بیماری نہ لگ جائے، یہ بھی آپ کے بھلائی اور خیر خواہی کا جذبہ ہے۔ نیز آپ کا ہاتھ کسی کو دینے کے لیے اٹھے، آپ کا پیر کسی کی بھلائی کے لیے جدو جہد کرے، اس کا آپ کو خیال رکھنا چاہیے؛ جب کہ آج یہی انسانی ہاتھ پیر صبح سے شام تک دوسروں کی کھال کھینچنے میں لگے رہتے ہیں، دوسروں کے پیسے کھینچنے میں لگے رہتے ہیں، دوسروں کی عزت و آبرو کو خطرہ میں ڈالنے میں لگے رہتے ہیں۔

لیکن اگر یہی انسان اپنے ہاتھ پیر کو اور سارے اعضا و جوارح کو دوسروں کو بھلائی پہنچانے میں لگادے، برائی سے نکال کر بھلائی کا رخ بتادے تو پھر یہ اس کی بھلائی ہے اور یاد رکھو جیسی کمائی کروگے تمہارے ہاتھ پیر ویسے ہی کہے جائیں گے۔

انسان ایک متضاد پھل دینے والا درخت ہے:

اسی لیے میں یہ کہا کرتا ہوں کہ انسان ایک ایسا درخت ہے جس میں متضاد پھل لگے ہوئے ہیں، جب کہ اس دنیا کا کوئی ایسا درخت نہیں جس میں متضاد پھل لگتے ہوں، جیسے ایک آم کا درخت ہے اس میں ببول کے کانٹے نہیں ہوسکتے اور اس میں انگور کا پھل نہیں آسکتا۔ اگر اس درخت میں کوئی پھل آسکتا ہے تو آم ہی آسکتا ہے، لیکن یہ انسان ایک ایسا درخت ہے جس میں ببول کے کانٹے بھی ہیں اور آم بھی، چنانچہ جب

ببول کے کانٹے بھی ہوتے ہیں تب وہ شر الناس ہوجاتا ہے اور آم وانگور آتے ہیں تب ''**خیر الناس**'' ہوجاتا ہے، اس لیے جگر مرادآبادی نے کہا تھا۔

گھٹے تو بس ایک مشت خاک ہے انسان
بڑھے تو وسعت کونین میں سمانہ سکے

جب یہ انسان اپنی انسانیت سے گرجاتا ہے تو ایک مٹھی مٹی بھی نہیں ہوتا، اور جب بڑھتا ہے تو وسعت کونین سے آگے چلا جاتا ہے، ساتوں زمین اور ساتوں آسمان کو پھلانگتے پھلانگتے عرش اعظم کے مالک تک پہنچ جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کو وہ توانائی دی ہے کہ یہ انسان جب اپنا سر زمین اور فرش پر رکھتا ہے تو عرش کے مالک سے بات کرتا ہے، چنانچہ ایک حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں: ''إِنَّ الْـمُصَلِّيَ يُنَاجِيْ رَبَّهٗ'' یعنی انسان جب نماز پڑھتا ہے تو اپنے رب سے راز و نیاز کی باتیں کرتا ہے اور مناجات کرتا ہے، لیکن یہ جب ہوگا جب اپنا دل اور دماغ کو صحیح استعمال کرنا سیکھے گا تب عرش کے مالک تک پہنچے گا۔ ورنہ وہ تحت الثریٰ میں گر جائے گا اور پھر شیطان بھی اس سے شرمانے لگے گا۔

جنت میں صرف ایک چیز کی حسرت ہوگی:

اگر آپ نے اپنے ہاتھ پیر کو چلانے اور استعمال کرنے کا ڈھنگ سیکھ لیا تو پھر میں کہتا ہوں کہ آپ اس مشین سے ڈالر چھاپ سکتے ہیں، لیکن اگر آپ نے اپنی اس مشین کو چورن کی نوٹ چھاپنے میں لگادیا تو یقیناً آپ نے اپنے وقت کو ضائع کیا۔ چورن کی نوٹ چھاپ کر آپ نے اپنی مشین کی ناقدری کی اور آپ نے اپنی بہت ہی

قیمتی چیز کو ضائع کر دیا، چنانچہ اس دنیا سے انسان جب جائے گا تو کہے گا، کہ میں نے تو بڑا قیمتی ہاتھ پیر ضائع کر دیا، بڑا قیمتی دل اور دماغ ضائع کر دیا اور بڑا ہی قیمتی اعضاو جوارح کو بالکل برباد کر دیا۔

اسی لیے حدیث پاک میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ: اگر اس دنیا میں ایک مجلس بھی اللہ تعالیٰ کی ذکر کے بغیر رہ گئی ہوگی تو ''کَانَتْ حَسْرَۃً عَلَیْھَا'' اس کے لیے وہ بہت ہی حسرت کی بات ہوگی، اگر کوئی شخص اس دنیا میں اپنی بادشاہت اور سلطنت کو بھی چھوڑ کر جائے گا تو چوں کہ اس کو اس سے اچھی چیز جنت مل جائے گی، اس لیے اس کو کبھی خیال بھی نہیں آئے گا کہ ہم دنیا میں بادشاہت چھوڑ کر آئے ہیں، لیکن اگر اس نے اپنے اسی ہاتھ پیر، اور اپنے اسی دل و دماغ سے آخرت کی کوئی نیکی نہیں کمائی ہوگی، تو زبردست حسرت وافسوس ہوگا اور سوچے گا کہ میں تھوڑے سے وقت میں بہت ساری نیکیاں کما سکتا تھا اور اس کے ذریعہ بہت بڑا انعام حاصل کر سکتا تھا لیکن افسوس کہ ہم نے سب کو ضائع کر دیا۔

انسان فانی ہے اور اس کے اعمال باقی ہیں:

اس حسرت کی مثال میں یہ دیتا ہوں کہ اگر آپ نے ایک مرتبہ سبحان اللہ پڑھ لیا تو آپ کو ایک نیکی مل گئی، لیکن اس کو ایک نیکی مت سمجھئے! قرآن کہتا ہے: ''فَلَهُ اَجْرٌ غَیْرُ مَمْنُوْنٍ'' یعنی اس کو اجر ایسا ملے گا جو کبھی منقطع نہیں ہوگا، ایک ہی سبحان اللہ پر آپ کو ہمیشہ ہمیشہ پھل دینے والا درخت مل جائے گا، جس میں کبھی خزاں نہیں آسکتی، پت جھڑ نہیں آسکتی اور جس کی زمین میں، کبھی زلزلہ نہیں آسکتا، جس کی پھلوں میں کوئی انقطاع

نہیں آ سکتا، لہٰذا ایسا ہمیشہ ہمیش پھل دینے والا باغ کہاں مل سکتا ہے، معلوم یہ ہوا کہ ایک حسنہ، ایک نیکی، ایک مرتبہ کا سبحان اللہ اور الحمد للہ کا اجر ہمیشہ ہمیش پھل دے گا۔

یہ تو آپ کو سمجھایا گیا ہے کہ اس کی ایک نیکی بھی ہوگی تب آپ کو یہ ملے گا، لیکن حقیقت یہ ہے کہ وہ ایک نیکی نہیں ہوگی، بلکہ ہمیشہ ہمیش کے لیے آپ کی دولت ہوگی جس کو دولتِ لازوال کہتے ہیں؛ اسی لیے اس دنیا کو فانی کہا جاتا ہے، ہاتھ پیر کو فانی کہا جاتا ہے اور اعضا و جوارح کو فانی کہا جاتا ہے، لیکن اس ہاتھ پیر سے کمائی ہوئی نیکیاں ''باقیات صالحات'' کہی جاتی ہیں، اس کے ہاتھ میں جو بقا کی صفت لگی ہوتی ہے، اس بقا کو کوئی چھین نہیں سکتا، اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ''مَا عِنْدَكُمْ يَنْفَدُ وَمَا عِنْدَاللّٰهِ بَاقٍ'' (النحل: ۹۶) یعنی جو کچھ تمہارے پاس ہے اور جن کے بارے میں تم یہ سمجھتے ہو کہ یہ میرا ہے وہ سب فانی ہے، لیکن اللہ تعالیٰ کے یہاں جو نامۂ اعمال جارہا ہے وہ سب باقی ہے۔

فانی اور باقی میں فرق نہ کرنے والے بچے ہیں:

جو لوگ باقی اور فانی کے درمیان فرق نہ سمجھتے ہوں وہ بچے ہیں، اور اس کی مثال میں یہ دیتا ہوں کہ اگر کوئی شخص کار کی بہت خوبصورت تصویر لے آئے اور کہنے لگے کہ یہ کار آپ کو پانچ لاکھ میں مل جائے گی، اب اگر آپ یہ سمجھتے ہیں کہ یہی تصویر کار ہے تو پھر آپ بچے کہیں جائیں گے، پانچ لاکھ کا چیک دے کر اگر وہ فوٹو لے لیتے ہیں تو بہت بے وقوف کہے جائیں گے، بس یہی حال اس دنیا کا ہے جس کو آپ نعمت سمجھ بیٹھے ہیں وہ نعمت نہیں، بلکہ نعمت کا فوٹو ہے اور نعمتوں کا عکس ہے؛ کیوں کہ اصلی نعمت تو وہ ہے جو جنت میں ہے۔

چنانچہ مولانا رومی علیہ الرحمہ نے حقیقی نعمت اور فانی نعمت کو سمجھانے کے لیے ایک واقعہ لکھا ہے، وہ واقعہ یہ ہے کہ ایک ریشم کا کیڑا شہتوت کھانے کے لیے اس کے درخت پر بہت مشکل سے چڑھا، جب اوپر چڑھ گیا تو پتوں کی شادابی اور ہریالی کو دیکھ کر ان پتوں ہی پر کود پڑا، پھر ان پتوں کو کھاتا رہا، اپنی کمائی اکٹھا کرتا رہا، ریشم بناتا رہا اور اپنی پوری زندگی ان درخت کے پتوں ہی پر ضائع کردی، جب کہ اس کی منزل شہتوت کھانا تھا، کیوں کہ شہتوت ہی کھانے کے لیے یہ پرخطر راستہ طے کیا تھا، لیکن پتوں کی ہریالی کو دیکھ کر اصل نعمت کو بھول گیا اور ان پتوں پر اپنی زندگی ضائع کردی۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اس انسان کو آخرت کے لیے پیدا کیا، وہاں کی اصلی نعمتوں سے فائدہ اٹھانے کے لیے پیدا کیا، لیکن یہ انسان ریشم کے کیڑے کی طرح دنیا کی شادابی اور ہریالی کو دیکھ کر اصل نعمت کو بھول گیا ہے، اسے یاد نہیں رہا کہ جنت کی اصلی نعمت دینے کے لیے یہ دنیا اور دنیا کی نعمتیں دی گئی ہیں، اس دنیا کے ہرے بھرے پتوں کو دیکھ کر سمجھ بیٹھتا ہے کہ یہی ہماری اصل نعمت ہے، اور یہی سب سے بڑی نعمت ہے۔

بھائی ابھی تم ان ہرے پتوں میں کہاں بھٹک رہے ہو، ان سے کہاں دھوکہ کھا رہے ہو'' تمہارے لیے تو آگے شہتوت ہے، طرح طرح کے پھل ہیں، انگور ہے اور انگور سے شراب بنانے والیاں ہیں اور شراب پلانے والیاں انتظار میں کھڑی ہیں اور تم ادھر ہی بھٹک رہے ہو!

خواجہ صاحب فرماتے ہیں ؎

لطف دنیا کے ہیں گے دن کے لیے
کھو نہ جنت کے مزے ان کے لیے

میرے دوستو! اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب نبی جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو شریعت کے ایک ایک احکامات کو پہنچانے کی بڑی تاکید فرمائی، اور فرمایا کہ اس کا ایک ایک پاٹ پرزا چھوٹنے نہ پائے۔

چنانچہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑی ہی جدو جہد، بڑی جان فشانی، فاقہ کشی اور دشمنوں سے طعن و تشنیع سننے کے بعد نیز مکہ جیسی پیاری زمین کو خیر باد کہنے کے بعد بھی بے شمار پریشانیوں کو اٹھاتے ہوئے، ایک ایک پاٹ پرزے کی سپلائی کی، اور آج مسلمان اس کو اپنے گھروں میں ضائع کر رہا ہے، اس کو اس پر افسوس بھی نہیں ہوتا، یہ مسلمان اپنی داڑھیاں کتروالیتا ہے اور یہ نہیں سوچتا کہ میں نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بھیجا ہوا ایک پاٹ پرزا ضائع کر دیا، یہ مسلمان اپنے بالوں میں انگریزیت دیکھنا چاہتا ہے، لیکن اس کو یہ خیال نہیں آتا کہ میں نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بال سے کھلواڑ کر کے قربان کر دیا، اور محمد رسول اللہ کے بال کو کاٹ کر گندے نالیوں میں پھینک دیا۔

آج مسلمانوں کو اپنے لباسوں میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مشابہت کا خیال نہیں آتا، آج مسلمانوں کو اپنے گھروں میں اسلامی احکامات لانے کا احساس نہیں ہوتا؛ اور سوچتا ہے کہ ہماری بالا دستی، ہماری ترقی اور ہماری کامیابی ان چیزوں کو چھوڑ کر دوسروں کی چیزوں کو اپنانے میں ہے ؂

جسے فضول سمجھ کر بجھا دیا تو نے　　　وہی چراغ جلاؤ تو روشنی ہوگی

میرے بھائی! اللہ تعالیٰ نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ’’بَلِّغْ مَا اُنْزِلَ اِلَیْکَ مِنْ رَّبِّکَ‘‘ کہہ کر جس چیز کا حکم دیا تھا، آج مسلمانوں کو اس کے ضائع ہو جانے

پر احساس نہیں رہا۔ ع

اور کارواں کے دل سے احساس ضیا جاتا رہا۔

آج آپ دیکھیں یہ مسلمان کیسی بھاگ دوڑ، محنت اور جدوجہد کی زندگی گزار رہا ہے، لیکن اسے یہ پتہ نہیں ہورہا ہے کہ ہمارے گھروں سے دین رخصت ہورہا ہے، ہمارے گھروں سے دین جارہا ہے، فکر بھی نہیں، فکر تو چھوڑیئے احساس بھی نہیں رہا، اسی وجہ سے آج ''کارروان کے دل سے احساس زیاں بھی رخصت ہورہا ہے''۔

نبی کی اصل ترقی اتباع وحی میں ہے:

چنانچہ حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا شاہ اشرف علی صاحب تھانوی علیہ الرحمہ ''فَاتَّبِعْ مَایُوْحیٰ اِلَیْکَ مِنْ رَّبِّکَ'' کے تحت لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی ''مَایُوْحیٰ اِلَیْکَ'' کی اتباع کا حکم دیا تھا اور ''مَا یُوْحیٰ اِلَیْکَ'' ہی نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سید الاولین والآخرین بنایا تھا۔ اتباع شریعت ہی نے اس کو رسولوں کا امام بنایا تھا، لیکن آج کا مسلمان ان کی اتباع میں اپنے لیے کسر شان سمجھتا ہے، اللہ تعالیٰ ہم سب کی حفاظت فرمائے، ہم سب کو اپنے دین کی سچی قدردانی کی توفیق عطا فرمائے اور اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی قدردانی کی توفیق عطا فرمائے؛ میں تو کہتا ہوں کہ آپ اپنے ان اعضا وجوارح سے اور اپنی اس زندگی سے لازوال نعمت کما سکتے ہیں اور حاصل کرسکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے ان اعضا وجوارح کی اور اپنی پوری زندگی کی قدردانی کی توفیق عطا فرمائے۔

اسے آپ فضول سمجھ کر ضائع کررہے ہیں اور اس کو معطل سمجھنا اپنا کمال سمجھتے

ہیں! ایسا نہ کریں، بلکہ اس کو کام میں لگائیں! اپنی زبان سے کچھ کمائیں، اپنی آنکھوں سے کمائیں، اپنا دل اور دماغ کو مسلمان بنا کر اپنے چین وسکون کا سامان اکٹھا کریں۔

ورنہ خواجہ صاحب فرماتے ہیں ۔

یہ جہاں در اصل ویرانہ ہے گو صورت ہے بستی کی
بس اتنی سی حقیقت ہے فریب خواب ہستی کی
کہ آنکھیں بند ہوں اور آدمی افسانہ بن جائے

بس انسانوں کی آنکھیں بند ہوں اور سارا کام ختم، ہوا میں لٹکا ہوا ہے، انسان کی جہاں سانس بند ہوئی تو ساری زمین اور سارے آسمان سناٹے میں، جب کہ انسانوں کی پلاننگ دیکھئے، اس کے پروگراموں کو دیکھئے، اپنے اوقات سے زیادہ سوچتا اور پلاننگ کرتا ہے، جب کہ وہ اس کے اختیارات میں نہیں؛ لیکن اللہ تعالیٰ نے شریعت وسنت پر عمل کرنے کا جو حق دیا ہے وہ اختیاری چیز ہے، جس پر آسانی سے عمل کر کے اللہ تعالیٰ کی خوشی حاصل کر سکتا ہے، اور اپنے لیے ذخیرۂ آخرت بنا سکتا ہے، لیکن آج اسے ضائع کرنے میں افسوس بھی نہیں آتا، اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنی زندگی پر نظر ڈالنے کی توفیق عطا فرمائے، اب تک کی تقصیر اور کوتاہیوں کو اللہ تعالیٰ معاف فرمائے اور اس کے تدارک کی فکر نصیب فرمائے۔

توبہ یہ نہیں ہے کہ آپ نے شام کو توبہ کر کے صبح سے پھر وہی زندگی گزارنی شروع کر دی، بلکہ توبہ کہتے ہیں کہ اگر کسی چیز سے توبہ کرلیں تو پھر ادھر جانے کا ارادہ ہی نہ ہو، زبان سے توبہ توبہ کہتا جاتا ہے اور ادھر سے کرتا بھی جاتا ہے، تو یہ توبہ نہیں ؏

جام بر کف توبہ بر لب دل بر ذوق گناہ

یعنی دل اور دماغ ذوق گناہ سے بالکل سرشار ہے لیکن توبہ توبہ کر رہا ہے تو فرمایا کہ ایسی توبہ پر مزید توبہ کی ضرورت ہے، بس اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو سچی اور پکی توبہ کی توفیق عطا فرمائے۔

شریعت و سنت پر پورا پورا عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے، اپنے اعضا وجوارح کی قدر دانی کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ سُبْحَانَکَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِکَ اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا أَنْت اَسْتَغْفِرُکَ وَأَتُوْبُ اِلَیْکَ.

☆☆☆

یہ جانتا ہوں کہ کچھ نہیں ہے متاعِ علم و کمال میری
مگر یہ ہے تیری دسترس میں خذف کو موتی کا رنگ دیدے

عروج آئے وہ پستیوں پر بلندیاں بھی عرق عرق ہوں
خزاں کی ویران وسعتوں کو بہار کا جل ترنگ دیدے